اسلام کی سپر تقیہ

فلسفۂ تقیہ

مقدمہ: ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

تصنیف: آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

ترجمہ و تلخیص: سید مختار حسین جعفری کشمیری

ضمیمہ: ایک محقق

اسلام کی سپر تقیہ

فلسفۂ تقیہ

مقدمہ : ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

تالیف : آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی

ترجمہ و تلخیص : سید مختار حسین جعفری کشمیری

ضمیمہ : ایک محقق

ناشر:

رحمت اللہ بک ایجنسی

بالمقابل بڑا امام بارگاہ کھارادر کراچی نمبر ۷۴۰۰۰

فون: ۲۴۳۱۵۷۷

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	مقدمہ ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی	۳
۲	تقیہ معرکۃ الآرا موضوع بحث	۱۳
۳	مقدمہ مترجم	۱۵
۴	حرف آغاز	۲۳
۵	تقیہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۵
۶	تقیہ کا حکم تکلیفی	۲۸
۷	احادیث تقیہ	۳۵
	پہلا طائفہ	۳۵
	دوسرا طائفہ	۳۷
	تیسرا طائفہ	۳۸
	چوتھا طائفہ	۴۲
۸	چند ضروری امور	۴۷
	اول تقیہ میں اس قدر تاکید کی علت اور سبب کیا ہے؟	۴۷
	پہلی وجہ	۴۸
	دوسری وجہ	۴۹
	۱۔ تقیہ کی غرض وغایت اور اس کی قسمیں	۵۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	۲۔ وجوب تقیہ کے موارد	۵۲
	ایک ضروری آگاہی	۵۵
۹	موارد حرمت تقیہ	۵۷
	۱۔ اگر دین میں فساد کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز نہیں	۵۷
	۲۔ قتل میں تقیہ جائز نہیں	۶۱
	۳۔ شراب خوری یا اس طرح کے محرمات میں تقیہ حرام ہے۔	۶۲
	۴۔ ضرورت کے بغیر تقیہ جائز نہیں ہے	۶۶
	تذکر	۶۷
۱۰	اختیار کفر اور ایمان سے برائت میں تقیہ کا حکم	۶۸
	روایات تفصیل	۷۵
	دوسری بحث	۷۷
	احادیث کے مضامین میں ہم آہنگی کا طریقہ	۸۱
۱۱	تقیۃً پڑھی گئی نماز کا حکم	۸۴
۱۲	تقیہ سے متعلق ضروری مسائل (تنبیہات)	۹۳
	پہلا مسئلہ: کیا تقیہ مخالف مذہب کے ساتھ مخصوص ہے؟	۹۳
	دوسرا مسئلہ: تقیہ موضوعات میں	۹۶
	مسئلۂ اکراہ اور تقیہ	۱۰۰
	تیسرا مسئلہ: آیا تقیہ کی شروعیت کے لئے فرار کا راستہ نہ ہونا معتبر ہے یا نہیں؟	۱۰۴
	لیکن ہمارا نظریہ یہ ہے:	۱۰۶
	چوتھا مسئلہ: محور تقیہ خوف شخصی ہے یا خوف نوعی	۱۱۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	پہلی صورت	۱۱۰
	دوسری صورت	۱۱۱
	پہلی صورت کا حکم	۱۱۱
	دوسری صورت کا حکم	۱۱۲
	پانچواں مسئلہ: موارد وجوب میں تقیہ کی مخالفت	۱۱۴
	چھٹا مسئلہ: تقیہ کے بعد	۱۱۵
	ساتواں مسئلہ: آیا تقیہ واجب نفسی ہے یا واجب غیری؟	۱۱۸
	آٹھواں مسئلہ: تقیہ کی تیسری قسم	۱۱۹
۱۳	ضمیمہ بحث تقیہ	۱۲۳
۱۴	ایک صعب المرور منزل	۱۲۴
۱۵	امیرالمومنینؑ کی ایک بین فضیلت	۱۳۹
۱۶	امام غزالی کا فتویٰ	۱۴۰
۱۷	امام زہری کا قول	۱۴۰
۱۸	امام فخرالدین رازی کی رائے	۱۴۰
۱۹	ابن حجر کا مقولہ تقیہ کے بارے میں	۱۴۱
۲۰	صحابہ و تابعین نے تقیہ کیا	۱۴۲
۲۱	ابن عباس نے تقیہ کیا	۱۴۲
۲۲	ایک دوسرا قول	۱۴۳
۲۳	ابن عمر نے تقیہ کیا	۱۴۴
۲۴	ابن مسعود نے تقیہ کیا	۱۴۴

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۵	راوی حدیث رسول نے تقیہ کیا	۱۴۵
۲۶	ابراہیم نخعی نے تقیہ کیا۔	۱۴۵
۲۷	زرارۃ ابن اوفی الحرشی نے تقیہ کیا	۱۴۵
۲۸	عبداللہ ابن عمر کا تقیہ	۱۴۶
۲۹	قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں بیان کیا ہے	۱۴۷
۳۰	حسن بصری نے تقیہ کیا	۱۴۷
۳۱	محمد بن سیرین وشعبی نے تقیہ کیا	۱۴۸
۳۲	ایک بڑے گروہ نے تقیہ کیا	۱۴۸
۳۳	ابوذر کو تقیہ کا حکم	۱۴۹
۳۴	پھر ابوذر کے لئے تقیہ کی ہدایت	۱۵۱
۲۵	انبیاء نے تقیہ کیا	۱۵۲
۳۶	جناب خلیل اللہؑ کا دوسرا تقیہ	۱۵۳

مقدمہ

ڈاکٹر محمد تیجانی سماویؒ

ترجمہ: مستجاب احمد انصاری

اہلِ سُنّت کے نزدیک "بَدَاء" بہت ہی قابلِ اعتراض اور مکروہ عقیدہ ہے۔ اسی طرح تقیہ کو بھی وہ بُرا سمجھتے ہیں اور اس پر شیعہ بھائیوں کا مذاق اُڑاتے ہیں بلکہ شیعوں کو مُنافق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیعوں کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے اور ظاہر کچھ اور کرتے ہیں۔

میں نے اکثر اہلِ سُنّت سے گفتگو کر کے انھیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ تقیہ نفاق نہیں ہے لیکن انھیں تو کسی بات کا یقین ہی نہیں آتا سوائے اس کے کہ جو انھیں ان کی مذہبی عصبیت نے سکھا دیا ہے یا جو ان کے بڑوں بزرگوں نے ان کے دل میں بٹھا دیا ہے۔

یہ بڑے پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان انصاف پسند اور تحقیق کے طالب لوگوں سے جو شیعوں اور شیعہ عقائد کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، حقائق کو چھپائیں اور یہ کہہ کر انھیں شیعوں سے متنفر کرنے کی کوشش کریں کہ یہ عبداللہ بن سَبا یہودی کا فرقہ ہے جو رَجعت، بَدَاء، تقیہ، عصمت اور مُتعہ کا قائل ہے اور اس کے عقائد میں بہت سے خُرافات اور فرضی باتیں شامل ہیں جیسے مثلاً مہدیِ منتظر وغیرہ کا عقیدہ۔ جو شخص ان کی باتوں کو سُنتا ہے وہ کبھی اظہارِ نفرت کرتا ہے اور کبھی اظہارِ حیرت۔ اور یہی سمجھتا ہے کہ ان خیالات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب شیعوں کی منگھڑت اور فرضی باتیں ہیں۔

مگر جب کوئی شخص تحقیق کرتا ہے اور انصاف سے کام لیتا ہے تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب عقائد کا اسلام سے گہرا تعلق ہے اور یہ قرآن و سُنّت کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلامی عقائد و تصورات ان کے بغیر اپنی صحیح شکل اختیار ہی نہیں کر سکتے۔

اہلِ سُنّت میں عجیب بات یہ ہے کہ جن عقائد کو وہ بُرا سمجھتے ہیں، ان ہی

عقائد سے ان کی کتابیں اور احادیث کے معتبر مجموعے بھرے ہوئے ہیں۔ اب ایسے لوگوں کا کیا علاج جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ اور جو خود اپنے عقائد کی اس لیے ہنسی اڑاتے ہیں کیونکہ شیعہ ان پر عامل ہیں۔

ہم بَدَاء کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اہلِ سُنّت خود بَدَاء کے قائل ہیں لیکن اگر دوسرے بَدَاء کے قائل ہوں تو ان پر اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے۔

اب آیئے دیکھیں تقیہ کے مسئلہ میں اہلِ سُنّت والجماعت کیا کہتے ہیں؟ اس کی بنا پر تو وہ شیعوں پر مُنافق ہونے تک کا الزام لگاتے ہیں۔

ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے عوفی کے واسطے سے ابن عبّاس سے روایت بیان کی ہے کہ اس آیت "اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً" کے بارے میں ابنِ عبّاس کہتے تھے کہ:

"تقیہ زبان سے ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی کسی شخص کو ایسی بات کہنے پر مجبور کرے جو اصل میں معصیت ہے تو وہ اگر لوگوں کے ڈر کے مارے وہ بات کہہ دے جب کہ اس کا دل پوری طرح ایمان پر قائم ہو تو اسے کچھ نقصان نہیں ہوگا یہ بھی یاد رکھو کہ تقیہ محض زبان سے ہوتا ہے۔"[1]

یہ روایت حاکم نے نقل کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ بیہقی نے بھی اپنی سُنن میں عطاء عن ابن عباس کے حوالے سے اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً (مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم کو ان سے کچھ اندیشۂ ضرر ہو۔ (سورۂ آلِ عمران۔ آیت ۲۸) کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابنِ عباس کہتے تھے کہ "تُقٰىةً" کا تعلق زبان سے کہنے سے ہے بشرطیکہ دل ایمان پر قائم ہو۔"[2]

عَبد بن حمید نے حَسَن بصری سے روایت بیان کی ہے کہ "حَسَن بصری کہتے تھے کہ تقیہ روزِ قیامت تک جائز ہے"۔[3]

عبد بن ابی رجاء نے نقل کیا ہے کہ حَسَن بصری اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے: اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تَقِيَّةً"۔[1]

---

[1] سیوطی، تفسیر درِ منثور [2] سُنن بیہقی۔ مستدرکِ حاکم [3] سیوطی، درِ منثور

عبدالرزاق، ابن سعد، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے مندرجہ ذیل روایت بیان کی ہے، حاکم نے مستدرک میں اسے صحیح کہا ہے، بیہقی نے دلائل میں اس کو نقل کیا ہے۔ روایت یہ ہے:

مشرکین نے عمار بن یاسرؓ کو پکڑ لیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک عمارؓ نے نبی اکرمؐ کو گالی نہ دی اور مشرکین کے معبودوں کی تعریف نہ کی۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ۔

آخر جب عمارؓ کو مشرکین نے چھوڑ دیا تو وہ رسول اللہؐ کے پاس آئے۔ رسول اللہؐ نے پوچھا: کہو کیا گزری؟ عمارؓ نے کہا: بہت بری گزری، انھوں نے مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک میں نے آپ کی شان میں گستاخی نہ کی اور ان کے معبودوں کی تعریف نہ کی۔ رسول اکرمؐ نے پوچھا: تمھارا دل کیا کہتا ہے؟ عمارؓ نے کہا: میرا دل تو ایمان پر پختہ اور قائم ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: اگر وہ لوگ تم پر پھر زبردستی کریں تو پھر ایسے ہی کہہ دینا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ.

یعنی جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے مگر وہ نہیں جو کفر پر زبردستی مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ (سورۂ نحل - آیت ۱۰۶)

ابن سعد نے محمد بن سیرین سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہؐ نے دیکھا کہ عمارؓ رو رہے ہیں۔ آپ نے ان کے آنسو پونچھے اور کہا: (مجھے معلوم ہے کہ) کفار نے تمھیں پانی میں ڈبو دیا تھا تب تم نے ایسا کہا۔ اگر وہ پھر تمھارے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں، تو پھر یہی کہہ دینا۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ

ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے اور بیہقی نے اپنی سنن میں عن علی عن ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ

ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں کہتے تھے: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ کہ اللہ نے خبر دی ہے کہ جس نے ایمان کے بعد کفر کیا، اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اس کے لیے سخت عذاب ہے مگر جسے مجبور کیا گیا اور اس نے دشمن سے بچنے کے لیے زبان سے کچھ کہہ دیا مگر اس کے دل میں ایمان ہے اور اس کا دل اس کی زبان کے ساتھ نہیں، تو کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ اپنے بندوں سے صرف اس بات کا مواخذہ کرتا ہے جس پر ان کا دل جم جائے۔

ابن ابی شیبہ، ابن جریر طبری، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت مکے کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ہوا یوں کہ یہ لوگ ایمان لے آئے تو انھیں بعض صحابہ نے مدینے سے لکھا کہ ہجرت کر کے یہاں آجاؤ۔ جب تک تم ہجرت کر کے یہاں نہیں آؤ گے، ہم تمھیں اپنا ساتھی نہیں سمجھیں گے۔ اس پر وہ مدینہ کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں انھیں قریش نے پکڑ لیا اور ان پر سختی کی۔ مجبوراً انھیں کچھ کلمات کفر کہنے پڑے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ.

بخاری نے اپنی صحیح میں باب المداراۃ مع الناس میں ایک روایت نقل کی ہے، جس کے مطابق ابوالدرداء کہتے تھے،

کچھ لوگ ہیں جن سے ہم بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۰۲

حلبی نے اپنی سیرت میں یہ روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہؐ نے شہر خیبر فتح کیا تو حجاج بن علاط نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! مکے میں میرا کچھ سامان ہے اور وہاں میرے گھر والے بھی ہیں، میں انھیں لانا چاہتا ہوں، کیا مجھے اجازت ہے اگر میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو آپ کی شان میں گستاخی ہو؟ رسول اللہؐ نے اجازت دے دی اور کہا: جو چاہے کہو۔

علی بن برہان الدین شافعی، انسان العیون المعروف بہ سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۶۱

امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم میں ہے کہ :

مسلمان کی جان بچانا واجب ہے۔ اگر کوئی ظالم کسی مسلمان کو قتل کرنا چاہتا ہو اور وہ شخص چھپ جائے تو ایسے موقع پر جھوٹ بول دینا واجب ہے ۔ حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی، احیاء علوم الدین۔

جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب اَلْاَشْبَاہُ وَالنَّظَائِر میں ایک روایت بیان کی ہے۔ اس میں لکھا ہے :

"فاقہ کشی کی حالت میں مردار کھانا، شراب میں لقمہ ڈبونا اور کفر کا کلمہ زبان سے نکالنا جائز ہے۔ اگر کسی جگہ حرام ہی حرام ہو اور حلال شاذ و نادر ہی ملتا ہو تو حسبِ ضرورت حرام کا استعمال جائز ہے۔"

ابوبکر رازی نے اپنی کتاب اَحکامُ القرآن میں اس آیت اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰىةً کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

مطلب یہ ہے کہ اگر تمھیں جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو تو تم کفار سے بہ ظاہر دوستی کا اظہار کر کے اپنی جان بچا سکتے ہو۔ آیت کے الفاظ سے یہی معنی نکلتے ہیں اور اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ قتادہ نے بھی لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ مومن کے لیے جائز نہیں کہ کسی کافر کو دین کے معاملے میں اپنا دوست یا سرپرست بنائے سوائے اس کے کہ ضرر کا اندیشہ ہو۔ قتادہ نے مزید کہا ہے کہ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰىةً سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کی صورت میں زبانی کفر کا اظہار جائز ہے [1]

صحیح بخاری میں عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے انھیں بتلایا کہ

---

[1] ابو بکر رازی، احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۰

ایک دفعہ ایک شخص نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: لغو آدمی ہے، خیر آنے دو۔ جب وہ شخص آیا تو آپ نے بڑی نرمی سے اس سے بات چیت کی۔ میں نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! ابھی تو آپ نے کیا فرمایا تھا پھر آپ نے اس سے گفتگو اتنی خوش اخلاقی سے کی؟ آپ نے جواب دیا: عائشہ! اللہ کے نزدیک وہ بدترین آدمی ہے جس سے لوگ اس کی بدزبانی کی وجہ سے بچیں یا اس کی بدزبانی کی وجہ سے اسے چھوڑ دیں۔

صحیح بخاری جلد ۴ باب لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا۔

اس قدر تبصرہ یہ دکھانے کے لیے کافی ہے کہ اہلِ سنت تقیہ کے جواز کے پوری طرح قائل ہیں — وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک جائز رہے گا اور — جیسا کہ غزالی نے کہا ہے، ان کے نزدیک بعض صورتوں میں جھوٹ بولنا واجب ہے اور بقول رازی جمہور علماء کا یہی مذہب ہے — بعض صورتوں میں اظہارِ کفر بھی جائز ہے اور — جیسا کہ بخاری اعتراف کرتے ہیں بہ ظاہر مسکرانا اور دل میں لعنت کرنا بھی جائز ہے اور — جیسا کہ صاحب سیرۃ حلبیہ نے لکھا ہے، اپنے مال کے ضائع ہو جانے کے خوف سے رسول اللہؐ کی شان میں گستاخی کرنا بلکہ کچھ بھی کہہ دینا روا ہے۔ اور — جیسا کہ سیوطی نے اعتراف کیا ہے لوگوں کے خوف سے ایسی باتیں کہنا بھی جائز ہے جو گناہ ہیں۔

اب اہلِ سنت کے لیے اس کا قطعاً جواز نہیں کہ وہ شیعوں پر ایک ایسے عقیدے کی وجہ سے اعتراض کریں جس کے وہ خود بھی قائل ہیں اور جس کی روایات ان کی مستند حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جو تقیہ کو نہ صرف جائز بلکہ واجب بتلاتی ہیں جن باتوں کے اہلِ سنت قائل ہیں، شیعہ ان سے زیادہ کچھ نہیں کہتے۔ یہ بات البتہ ہے کہ وہ تقیہ پر عمل کرنے میں دوسروں سے زیادہ مشہور ہو گئے ہیں۔ اور وجہ اس کی وہ ظلم و تشدد ہے جس سے شیعوں کو اُموی اور عباسی دور میں سابقہ پڑا۔ اس دور میں کسی شخص کے قتل کر دیے جانے کے لیے کسی کا اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ "یہ بھی

شیعانِ اہلِ بیت میں سے ہے۔"

ایسی صورت میں شیعوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا کہ وہ ائمۂ اہلِ بیت علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں تقیہ پر عمل کریں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَلتَّقِیَّةُ دِیْنِیْ وَ دِیْنُ اٰبَائِیْ ۔

تقیہ میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے۔

اور یہ بھی فرمایا کہ

مَنْ لَا تَقِیَّةَ لَهٗ لَا دِیْنَ لَهٗ ۔

جو تقیہ نہیں کرتا، اس کا دین ہی نہیں۔

تقیہ خود ائمۂ اہلِ بیت کا شعار تھا، اور اس کا مقصد اپنے آپ کو اور اپنے پیروکاروں اور دوستوں کو ضرر سے محفوظ رکھنا، ان کی جانیں بچانا اور ان مسلمانوں کی بہتری کا سامان کرنا تھا جو اپنے معتقدات کی وجہ سے تشدد کا شکار ہوتے تھے، جیسے مثلاً عمار بن یاسرؓ۔ بعض کو تو عمار بن یاسرؓ سے بھی زیادہ تکلیف اٹھانی پڑی۔

اہلِ سنّت ان مصائب سے محفوظ تھے کیونکہ ان کا ظالم حکمرانوں کے ساتھ مکمل اتحاد تھا۔ اس لیے انھیں نہ قتل کا سامنا کرنا پڑا، نہ لوٹ کھسوٹ کا، نہ ظلم و ستم کا۔ اس لیے یہ قدرتی امر ہے کہ وہ نہ صرف تقیہ کا انکار کرتے ہیں بلکہ تقیہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع بھی کرتے ہیں۔ درحقیقت بنی اُمیہ اور بنی عباس کے حکمرانوں نے تقیہ کی بنا پر شیعوں کو بدنام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ان ہی کی پیروی اہلِ سنّت والجماعت نے کی ہے۔

جب اللہ سبحانہٗ نے قرآن میں تقیہ کا حکم نازل فرمایا ہے اور جب خود رسول اللہؐ نے اس پر عمل کیا ہے، جیسا کہ بخاری کی روایت میں آپ پڑھ چکے ہیں اس کے علاوہ رسول اللہؐ نے عمار بن یاسرؓ کو اجازت دی کہ اگر کفار پھر ان پر تشدد کریں اور اذیت دیں تو جو کلماتِ کفر کفار کہلوانا چاہیں وہ کہہ دیں۔ نیز یہ کہ قرآن و سنّت پر عمل کرتے ہوئے علماء نے بھی تقیہ کی اجازت دی ہے تو پھر آپ ہی انصاف سے بتائیں کہ کیا اس کے بعد بھی شیعوں پر طعن کرنا اور ان پر اعتراض کرنا درست

ہے؟

صحابۂ کرام نے ظالم حکمرانوں کے عہد میں تقیہ پر عمل کیا ہے۔ اس وقت جبکہ ہر شخص کو جو علی بن ابی طالبؑ پر لعنت کرنے سے انکار کرتا تھا قتل کر دیا جاتا تھا حجر بن عدی کندی اور ان کے ساتھیوں کا قصہ تو مشہور ہے۔ اگر میں صحابہ کے تقیہ کی مثالیں جمع کروں تو ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوگی۔ لیکن میں نے اہلِ سنّت کے حوالوں سے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ بحمد اللہ کافی ہیں۔

لیکن اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ ضرور بیان کروں گا جو خود میرے ساتھ پیش آیا۔ ایک دفعہ ہوائی جہاز میں میری ملاقات اہلِ سنّت کے ایک عالم سے ہوگئی ہم دونوں برطانیہ میں منعقد ہونے والی ایک اسلامی کانفرنس میں مدعو تھے۔ دو گھنٹے تک ہم شیعہ سنّی مسئلے پر گفتگو کرتے رہے۔ یہ صاحب اسلامی اتحاد کے داعی اور حامی تھے۔ مجھے بھی ان میں دلچسپی پیدا ہوگئی تھی لیکن اس وقت مجھے بڑا معلوم ہوا جب انھوں نے یہ کہا کہ شیعوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بعض ایسے عقائد چھوڑ دیں جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالتے اور ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کا سبب بنتے ہیں۔ میں نے پوچھا: مثلاً؟

انھوں نے بے دھڑک جواب دیا: مثلاً متعہ اور تقیہ۔

میں نے انھیں سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ متعہ تو جائز ہے اور قانونی نکاح کی ایک صورت ہے اور تقیہ اللہ کی طرف سے ایک رعایت اور اجازت ہے۔ لیکن وہ حضرت اپنی بات پر اڑے رہے اور میری ایک نہ مانے، نہ ہی میرے دلائل انھیں قائل کر سکے۔

کہنے لگے: جو کچھ آپ نے کہا ہے، ممکن ہے کہ وہ صحیح ہو، لیکن مصلحت یہی ہے کہ مسلمانوں کی وحدت کی خاطر ان چیزوں کو ترک کر دیا جائے۔

مجھے ان کی منطق عجیب معلوم ہوئی، کیونکہ وہ مسلمانوں کی وحدت کی خاطر اللہ کے احکام کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ پھر بھی میں نے ان کا دل رکھنے کو کہا: اگر مسلمانوں کا اتحاد اسی پر موقوف ہوتا تو میں پہلا شخص ہوتا جو یہ بات مان جاتا۔

ہم لندن ایرپورٹ پر اُترے تو میں ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ جب ہم ایرپورٹ پولیس کے پاس پہنچے تو ہم سے برطانیہ آنے کی وجہ پوچھی گئی۔

ان صاحب نے کہا، میں علاج کے لیے آیا ہوں۔

میں نے کہا کہ میں اپنے کچھ دوستوں سے ملنے آیا ہوں۔

اس طرح ہم دونوں کسی دقت کے بغیر وہاں سے گزر کر اس ہال میں پہنچ گئے جہاں سامان وصول کرنا تھا۔ اس وقت میں نے چپکے سے ان کے کان میں کہا کہ: آپ نے دیکھا کیسے تقیہ (نظریۂ ضرورت) ہر زمانے میں کارآمد ہے؟

کہنے لگے: کیسے؟

میں نے کہا: ہم دونوں نے پولیس سے جھوٹ بولا۔ میں نے کہا میں دوستوں سے ملاقات کے لیے آیا ہوں، اور آپ نے کہا کہ میں علاج کے لیے آیا ہوں۔ حالانکہ ہم دونوں کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔

وہ صاحب کچھ دیر مسکراتے رہے۔ سمجھ گئے تھے کہ میں نے ان کا جھوٹ سُن لیا۔ پھر کہنے لگے، کیا اسلامی کانفرنسوں میں ہمارا رُوحانی علاج نہیں ہوتا؟

میں نے ہنس کر کہا، تو کیا ان کانفرنسوں میں ہماری اپنے دوستوں سے ملاقات نہیں ہوتی؟

اب میں پھر اپنے موضوع پر واپس آتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اہلِ سنّت کا یہ کہنا غلط ہے کہ تقیہ نفاق کی کوئی شکل ہے بلکہ بات اس کی اُلٹ ہے کیونکہ نفاق کے معنی ہیں: ظاہر میں ایمان اور باطن میں کفر — اور تقیہ کے معنی ہیں ظاہر میں کفر اور باطن میں ایمان۔ ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

نفاق کے متعلق اللہ سبحانہٗ نے فرمایا ہے:

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ.

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو

کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مذاق کرتے تھے۔

(سورۂ بقرہ - آیت ۱۴)

اس کا مطلب ہوا: ایمان ظاہر + کفر باطن = نفاق

تقیہ کے بارے میں اللہ سبحانہٗ نے کہا ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ

"فرعون کی قوم میں سے ایک مومن شخص نے جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا کہا ....."

اس کا مطلب ہوا: کفر ظاہر + ایمان باطن = تقیہ

یہ مومن آلِ فرعون اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا جس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں تھا، وہ فرعون اور دوسرے سب لوگوں کے سامنے یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ فرعون کے دین پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن کریم میں تعریف کے انداز میں کیا ہے۔

اب قارئین با تمکین آیئے دیکھیں! خود شیعہ تقیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں تاکہ ان کے بارے میں جو غلط سلط باتیں مشہور ہیں، جو جھوٹ بولا جاتا اور طوفان اُٹھایا جاتا ہے، ہم اس سے دھوکا نہ کھانے پائیں۔

شیخ محمد رضا مظفر اپنی کتاب عقائدُ الامامیہ میں لکھتے ہیں:

تقیہ بعض موقعوں پر واجب ہے اور بعض موقعوں پر واجب نہیں۔ اس کا دارومدار اس پر ہے کہ ضرر کا کتنا خوف ہے۔ تقیہ کے احکام فقہی کتابوں کے مختلف ابواب میں علماء نے لکھے ہیں۔ ہر حالت میں تقیہ واجب نہیں۔ صرف بعض صورتوں میں تقیہ کرنا جائز ہے۔

بعض صورتوں میں تو تقیہ نہ کرنا واجب ہے، مثلاً اس صورت میں جب کہ حق کا اظہار، دین کی مدد، اسلام کی خدمت اور جہاد ہو۔ ایسے موقع پر جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ بعض صورتوں میں تقیہ حرام ہے یعنی ان صورتوں میں جب

تقیہ کا نتیجہ خون ناحق ، باطل کا رواج یا دین میں بگاڑ ہو یا تقیہ کے باعث مسلمانوں کا سخت نقصان ہوتے ، مسلمانوں میں گمراہی پھیلنے یا ظلم و جور کے فروغ پانے کا اندیشہ ہو۔

بہرحال شیعوں کے نزدیک تقیہ کا جو مطلب ہے وہ ایسا نہیں کہ اس کی بنا پر شیعوں کو تخریبی مقاصد کی کوئی خفیہ پارٹی سمجھ لیا جائے ، جیسا کہ شیعوں کے بعض وہ غیر محتاط دشمن چاہتے ہیں جو صحیح بات کو سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے ۔ (ہم غیر محتاط شیعوں سے بھی کہیں گے کہ)

اقول غیر جو ہے اسلام ہیں منغیر
اپنی زباں سے ان کی حکایت نہ کیجیے

اسی طرح تقیہ کے یہ بھی معنی نہیں کہ اس کی وجہ سے دین اور اس کے احکام ایسا راز بن جائیں جسے شیعہ مذہب کو نہ ماننے والوں کے سامنے ظاہر نہ کیا جا سکے ۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ شیعہ علماء کی تصانیف خصوصاً ان کی فقہ ، احکام عقائد اور علم کلام سے متعلق کتابیں مشرق و مغرب میں ہر جگہ اتنی تعداد میں پھیلی ہوئی ہیں کہ اس سے زیادہ تعداد کی کسی مذہب کے ماننے والوں سے توقع نہیں کی جا سکتی ۔

اب آپ خود دیکھ لیجیے کہ دشمنوں کے خیال کے برخلاف یہاں نہ نفاق ہے نہ مکر و فریب ، نہ دھوکا ہے نہ جھوٹ !

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

محمد تیجانی سماوی تیونسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقیہ
معرکۃ الآراء موضوع بحث

شیعوں اور اہلسنت حضرات کے درمیان تقیہ سے زیادہ کوئی مسئلہ سوءِ تفاہم کا باعث نہیں اور اہل سنت حضرات کی نظروں میں تقیہ سے زیادہ کوئی دوسرا مسئلہ پر نقد خاص نہیں۔

ہمارے سنی بھائی ہمیشہ سے یہی کہتے ہیں کہ آپ جس قدر چاہیں اپنے عقیدے کی وضاحت کریں اور چاہے جتنا کہیں کہ ہم قرآن میں کسی تحریف کے قائل نہیں اور ہمارے تمام گھروں اور شہروں میں قرآن موجود ہے اور وہی قرآن ہے جو دوسرے مسلمانوں کے پاس ہے ۔ لیکن ہم آپ کی اس بات پر یقین نہیں کرتے ۔ اس لئے کہ ممکن ہے آپ اس میں تقیہ سے کام لے رہے ہوں ۔

چونکہ تقیہ آپ کے نزدیک اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔

اسی طرح جب دوسرے اسلامی مسائل کے سلسلہ میں ہم ان سے (اہل سنت حضرات سے) گفتگو کرتے ہیں اور اپنے عقائد کو جن کی بنیاد قرآن و سنت اور کلمات اہلبیت علیہم السلام پر استوار ہے بیان کرتے ہیں تو ان کا جواب وہی ہوتا ہے (کہ ممکن ہے آپ تقیہ کر رہے ہوں)

یہ صورت حال اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ اہل سنت حضرات کا حتیٰ تقیہ کے معنی اور

مفہوم سے آگاہ نہیں۔ اور یہ کہ تقیہ کا ان کے نزدیک کوئی اور مفہوم ہے۔ نیز یہ کہ ان کو یہ معلوم
کہ تقیہ کی بنیاد قرآن و سنت ہے۔ کلام خدا میں صریح آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں اور
پیغمبر اکرم میں بھی تقیہ مشہور ہے اور آنحضرت کے برجستہ صحابیوں نے اس قانون پر عمل کیا
اس کا مطلب یہ ہے کہ تقیہ کا انکار قرآن و سنت کا انکار ہے۔ تقیہ کا وجود نہ صرف قرآن و سنت
میں ہے بلکہ دنیا بھر کے عقلمندوں کے نزدیک تقیہ ایک جانی پہچانی عقل عمل (روش) ہے
انسانیت کے ہر مرحلے میں اس کا وجود رہا ہے۔

اس کتاب کا مقصد بھی ان مسائل کو واضح کرنا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ اسلامی قانون
تقیہ اپنے صحیح لب لباب میں دنیا کے سامنے روشن ہو جائے تاکہ صحیح اور تحریف شدہ تقیہ کے مفہوم
میں تمیز کی جا سکے۔ اور اہل سنت حضرات جو شیعوں کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہیں اس
ازالہ ہو سکے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اس کتاب کی نشر و اشاعت اتمام حجت ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اس
کے مطالعے کے بعد کسی کے پاس خداوند عالم کی بارگاہ میں کوئی عذر نہیں رہ جاتا کہ وہ اہل بیت
علیہم السلام کے ماننے والوں پر اعتراض کرے اور بلا وجہ کیچڑ اچھالے۔ اس لئے کہ اس کتاب میں
کے صحیح معنی، قرآن مجید اور تاریخ و احادیث میں اس پر دلالت کرنے والی آیتوں اور روایتوں
بہترین انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

خداوند متعال ہم سب کو اسلامی قوانین اور سنت پیغمبر اکرم پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت
فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حوزہ علمیہ قم

ناصر مکارم شیرازی
۲۳ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ

مقدمۂ مترجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم ـــــ قال الامام جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام

"من لا تقیۃ لہ لا دین لہ"

کتنے مذاہب ایسے ہیں کہ جن کے مقابلہ میں شیعہ مذہب والوں پر ظلم ہوئے۔ شاید ہی کسی مذہب
کے ماننے والوں پر اتنے مظالم ڈھائے گئے ہوں۔ اس کے باوجود شیعہ زندہ ہیں، پائندہ ہیں اور زندہ
و پائندہ رہیں گے۔ اس حقیقت کا راز یہ ہے کہ جیسے رہبر شیعوں کو ملے اس شان کے رہبر دنیا کے
کسی دوسرے مذہب والوں کو نہیں ملے۔ ان عظیم رہبروں نے تقیہ جیسا [illegible] گرانقدر قانون بھی
شیعوں کو دیا۔ دنیا کے کسی مذہب کے پاس ایسا قانون نہیں۔ یہ قانون ہر حالت میں زندگی بخش ہے
بہت قریب قانون ہے۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا بھی ضروری ہے اور ظالم کے سامنے اپنی موجودیت
ظاہر کئے بغیر زندگی گزارنے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان کو مکمل تحفظ ملتا ہے
وہ قانون ہر انسان کے حق میں مفید نہیں ہو سکتا جو انسان کو تحفظ نہ دے سکے۔ یہ اور بات

ہے کہ تحفظ کی نوعیتیں مختلف ہیں۔ جس طرح کبھی کبھی سر کٹوا دینا تحفظ کے منافی نہیں ہوتا ویسے ہی چھپا ہوا سر بچا لینا تحفظ کا مصداق نہیں بن پاتا۔ اور یہ حقیقت آشکار بھی ہے اور فطری بھی۔

اسلام کے ایسے ہی قوانین کے مجموعے میں سے ایک قانون کا نام تقیہ ہے۔ اور چونکہ اسلام دین فطرت ہے لہٰذا تقیہ بھی قانون فطرت ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ تقیہ کی مخالفت اسلام کی مخالفت ہے اور اسلام کی مخالفت کفر ہے۔

تعجب عوام پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے ان دانشوروں کی عقل پر ہے جو تقیہ کا انکار کرنے والوں کو مورد الزام اور مستحق تعزیر لینے کے بجائے اس قانون فطرت کے ماننے والوں کو مستحق ملامت کرتے ہیں۔ اور وہ بھی صرف زبانی ترانیوں کے ساتھ مگر ان کی عملی زندگی میں قدم قدم پر تقیہ نظر آتا ہے حتیٰ اپنے خانگی معاملات تک میں وہ تقیہ پر عمل کرتے نظر آتے ہیں۔ چونکہ کذب سے بچنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

زیر نظر کتاب میں تقیہ کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں مجموعی تقیہ کو ایک فقہی قاعدے کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تقیہ کے علل و اسباب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور بے موقع و محل کی جانے والی تمام حاشیوں کا ازالہ بھی ہے۔

تاریخ و حدیث سے تقیہ کے متعدد نمونے پیش کئے گئے ہیں اور قرآن کی کئی آیات سے استدلال و استنباط کیا گیا ہے۔

اس کے باوجود میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد تمام متعصب راہ راست پر آجائیں گے۔ البتہ وادیٔ تحقیق کی پرخار راہوں پر سفر کرنے والے منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ ایسے ہی افراد کی تنویر افکار کے لئے ہم تقیہ کے بارے میں مسلمانوں کے معتبر مفسرین کی آراء نقل کرتے ہیں۔

۱۔ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں (الا ان تتقوا منهم تقاة) کی تفسیر میں تقیہ کے متعلق احکام میں سے بعض کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ اگر انسان کفار کے درمیان پھنس جائے اور جان کا خوف ہو تو وہ زبانی طور پر مدارات کر سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ صرف زبان سے دشمنی کا اظہار نہ کرے بلکہ اس سے بالاتر ذو معنی الفاظ میں ان سے محبت اور رفاقت کا اظہار کر سکتا ہے بشرطیکہ باطنی طور پر اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔

اس کے بعد چوتھے حکم کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ظاهر الآية يدل ان التقية انما تحل مع الكفار الغالبين الا ان مذهب الشافعي رضي الله عنه ان الحالة بين المسلمين اذا شاكلت الحالة بين المسلمين والكافرين حلت التقية محاماة على النفس.

آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقط غلبہ رکھنے والے کافروں سے تقیہ جائز ہے۔ لیکن شافعی کے نزدیک اگر مسلمانوں سے بھی جان کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز ہے۔

پانچواں حکم:

التقية جائزة لصون النفس، وهل هي جائزة لصون المال يحتمل ان يحكم فيها بالجواز لقوله صلى الله عليه وسلم "حرمة مال المسلم كحرمة دمه" ولقوله (ص) "من قتل دون ماله فهو شهيد"[1]

ترجمہ: جان بچانے کے لئے تقیہ جائز ہے۔ لیکن کیا مال کی حفاظت کی خاطر بھی

۱۔ تفسیر الفخر الرازی ۸/۱۳۔

جائز ہے یا نہیں؟ احتمال یہ ہے کہ جائز ہو اس لئے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا "مسلمان کی جان کی طرح اس کا مال بھی محترم ہے۔" اس کے علاوہ فرمایا "جو اپنے مال کے دفاع میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔"

۲۔ زمخشری اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں "انہوں نے اس صورت میں کفار و مشرکین سے دوستی برقرار رکھنے کی چھوٹ دی ہے جب ان سے جان کا خطرہ ہو۔"[۱]

۳۔ نسفی کی تفسیر میں ہے "الا ان تتقوا منہم تقاۃ" یعنی جب کافروں کو غلبہ حاصل ہو اور مسلمانوں کو جان و مال کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں دوستی ظاہر کرنا اور دشمنی کو پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔[۲]

۴۔ خازن لکھتے ہیں: "صرف قتل ہو جانے سے بچنے کے لئے تقیہ جائز ہے بشرطیکہ نیت سالم ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔[۳] "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان" سورۂ نحل آیہ ۱۰۶۔

۵۔ نیشاپوری "فلا تخشوہم واخشون" کے ذیل میں لکھتے ہیں "اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی حالت میں تقیہ جائز ہے۔"[۴]

۶۔ خطیب شربینی کو ملاحظہ فرمائیے۔ "الا من اکرہ" یعنی جسے کفر کے اظہار پر

۱۔ تفسیر الکشاف ج ۱ ص ۴۲۲
۲۔ تفسیر النسفی حاشیہ تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۷۷
۳۔ تفسیر الخازن ج ۱ ص ۲۷۷
۴۔ تفسیر غرائب القرآن ج ۳ ص ۱۷۸

مجبور کیا جائے اور وہ ایسا کرے "وقلبہ مطمئن بالایمان" اور اس کا دل ایمان سے سرشار ہو تو اس نے کچھ برا نہیں کیا اس لئے کہ ایمان کا مسکن دل ہوا کرتا ہے۔[۱]

۷۔ طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "الا ان تتقوا منہم تقاۃ" کے ذیل میں ابوالعالیہ رقمطراز ہیں۔ "تقیہ زبان سے ہوتا ہے عمل سے نہیں ہوتا۔"

اس کے بعد اسی آیت کے ذیل میں ضحاک کا قول نقل کرتے ہیں۔ "تقیہ زبان سے ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کو ایسی بات کہنے پر مجبور کیا جائے جس میں خدا کی نافرمانی ہو اور وہ جان بچانے کیلئے کہہ دے "وقلبہ مطمئن بالایمان" مگر اس کا دل ایمان سے لبریز ہو تو وہ گنہگار نہیں۔"[۲]

۸۔ حافظ ابن ماجہ لکھتے ہیں: ایسی حالت میں تقیہ جائز ہے۔ اس لئے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔ "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان"[۳]

۹۔ اسی آیت کی تفسیر میں قرطبی لکھتے ہیں۔ "حسن کا قول ہے کہ تقیہ انسان کے لئے قیامت تک جائز ہے۔"[۴]

اس کے بعد قرطبی کہتے ہیں۔ "اہل علم کا اتفاق ہے جس شخص کو کفر بکنے پر مجبور کیا جائے اور وہ قتل سے بچنے کے لئے ظاہراً کافر ہو جائے لیکن اس کے دل میں ایمان ہو تو وہ گناہگار نہ ہوگا اور

۱۔ تفسیر السراج المنیر ج ۲ ص ۲۶۳۔
۲۔ جامع البیان ج ۳ ص ۱۵۳۔
۳۔ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۵۳۔
۴۔ جامع احکام القرآن ج ۴ ص ۵۷۔

خدا سے مکاری بھی اس سے الگ ہوگا اور اس کا اثر زائل ہو جائے گا۔ یہ مسلک شافعی اور رازی کا قول ہے۔[1]

۲۔ اسی آیت کی تفسیر میں آلوسی لکھتے ہیں : آیت تقیہ کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔[2]

۳۔ اور الذین آمنوا کی بیان ہے آیہ "الا ان تتقوا منہم تقاۃ" سے تمام امت نے استنباط کیا ہے کہ خوف کے وقت تقیہ مشروع ہے۔

چنانچہ ابو ہریرہ قائل ہیں کہ میں نے رسول خدا سے دو دعائیں اخذ کی ہیں ایک وہ کہ میں نے تمام لوگوں کو بتلایا ہے لیکن دوسری دعا کو نہیں بتلایا اس لئے کہ اگر بتلاتا تو میری گردن اڑا دی جاتی۔[3]

۴۔ مراغی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔ مسلمانوں کو ہر حالت میں کافروں سے قطع روابط کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر ان سے کسی قسم کا خوف ہو تو اس کا ازالہ تقیہ کے ذریعہ درست ہے۔ اس لئے کہ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ منفعت حاصل کرنے سے پہلے نقصانات کا ازالہ کرنا چاہیئے۔

لہٰذا جب نقصان سے بچنے کے لئے کافروں کے ساتھ دوستی کرنا جائز ہے تو تمام مسلمانوں کے منافع کے لئے بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

دین اور دیانت کے پابند روشن فکر مسلمانوں سے یہ توقع ہے کہ آپ حضرات اہل سنت کی تفسیر میں ملاحظہ فرمانے کے بعد تقیہ کی بنا پر مکتب اسلام کے مخلص ماننے والوں کو برا بھلا نہیں کہیں گے۔ بلکہ ان کی روشن دلیلوں کے ذریعہ دین حق اور صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

ممکن ہے کہ بعض ذہنوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو جائے کہ یہ کتاب لکھنے اور ترجمہ کرنے کا مقصد

۱۔ جامع احکام قرآن جلد [۴] ص [۵۷]

۲۔ روح المعانی جلد [۳] ص

۳۔ محاسن التاویل جلد [۴] ص [۸۲] - طبع مصر۔

والے حضرات کو ان کے مذہب سے بدظن کرتا ہے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے عرض ہے کہ اس کتاب کا مقصد کسی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ہرگز نہیں بلکہ اس کا مقصد حق کو واضح کرنا ہے۔ "لیہلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بینۃ" صرف کتابیں پڑھ لینے سے کوئی شیعہ نہیں بن جاتا بلکہ "ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء"[1]

ورنہ جب یہ کتاب نہیں لکھی گئی تھی تب بھی لوگ شیعہ مذہب اختیار کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

ہماری اس کتاب سے اصل غرض یہ ہے کہ علمائے اسلام اپنی فکری صلاحیتوں کو ان فروعی مسائل میں الجھا کر برباد نہ کریں بلکہ انہیں اپنے مشترکہ دشمن کے ظاہری اور باطنی ہتھکنڈوں سے بچنے کے لئے استعمال کریں۔

اسی طرح جو لوگ اہل تحقیق اور حق جو ہیں ان کو بھی آزادی دیں تاکہ وہ خوف کے خاتمہ سے بے خطر ہو کر وادی تحقیق میں قدم رکھیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں۔

خداوند متعال ہم سب کو دین اسلام اور مستضعف و بے چارے مسلمانوں کی حمایت میں اپنی فکری اور عملی توانائیوں کو صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں ناشر گرامی جناب [illegible] صاحب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جو حسن و من سے دین اسلام اور فقہ جعفریہ کی خدمت کر رہے ہیں۔ خدائے سبحان موصوف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

۱۔ سورۂ جمعہ۔

پروردگار عالم جملہ مومنین و مومنات کو حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے امام زمانہ کے ظہور میں تعجیل فرمائے۔

آمین یا رب العالمین

۳ شعبان المعظم سنہ ۱۴۱۳ھ
قم المقدسہ ـ ایران

حرف آغاز

تقیہ ایک عرصے سے جہاں ہماری پہچان رہا ہے اس کے ساتھ ہی اس کی بنا پر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش بھی کی جاتی رہی ہے جس کا سبب اس کے حقیقی معنی اور موارد و وجوہات سے ناآگاہی اور حکم عقل و نقل سے غفلت کے علاوہ کچھ نہیں۔

تقیہ دین کی ضرورت ہے اور اس کا مذہب و دین سے مضبوط تعلق ہے۔ ایک طرف بہت سے فروعی مسائل فقہ کی بنیاد اس پر استوار ہے تو دوسری طرف اس کا تعلق عقائد و کلام سے بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو اس کی حقیقت اور اس کے موارد سے غافل ہیں وہ اسی کو اس کے ماننے والوں کا کمزور پہلو قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ ہم اس کے بارے میں ایک فقہی قاعدہ کی حیثیت سے بحث کر رہے ہیں لیکن دوران بحث ہم اس کے دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ تاکہ مخالفین کے ان اعتراضات کا کہ جو "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کی حیثیت رکھتے ہیں جواب دے سکیں اور اسی طرح کے تمام شبہات کی طرح اس کو بھی دور کر سکیں جو ہم سے دوری، عدم اتصال اور ہمارے

اور ہمارے عقاید کو ہم سے نہ لینے بلکہ ایسی کتابوں سے اخذ کرنے کی بنا پر پیدا ہو گئے ہیں جو ہمارے خلاف بہتان تراشیوں اور خرافات سے پر ہیں۔ یہ الزامات یا تو ذاتی اور مذہبی تعصبات کی بنا پر ہم پر لگائے گئے ہیں یا پھر مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ایجاد کرنے، بغض و کینہ کا بیج بونے اور ان کو آپس میں دست و گریباں کر کے کمزور کرنے کے لئے یہ تعصبات منافقوں نے پھیلائے ہیں تاکہ مسلمانوں کا رعب و دبدبہ جاتا رہے جیسا کہ قرآن میں خدا کا ارشاد ہے۔

بہر حال ہم تقیہ کو چند مراحل میں تقسیم کر کے مورد بحث قرار دیں گے

اوّل: تقیہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

دوم: تقیہ کا حکم تکلیفی یعنی آیا تقیہ جائز ہے یا حرام؟ اگر جائز ہے تو کس مورد میں جائز ہے اور کہاں جائز نہیں؟ اور اس کی دلیلیں بھی پیش کریں گے۔ اس کے علاوہ ہم تقیہ کی دو قسموں یعنی خوفی اور تحبیبی پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

دوران بحث ہم اس سوال کا بھی جواب دیں گے کہ صدر اول کے بنی امیہ اور بنی عباس کے ادوار میں رشید ہجری اور میثم تمار جیسے جلیل القدر صحابی کیوں تقیہ کو چھوڑ کر شہادت کا شیریں جام نوش فرماتے؟ اور کیا ایسے مواقع پر ان کی پیروی ہمارے لئے ممکن ہے یا نہیں؟

تیسرے مرحلے میں۔ ہم اس کے حکم وضعی کو زیر بحث لائیں گے کہ آیا تقیہ صرف مخالف مذہب کے مقابلے میں ہوتا ہے یا افراد منافق کے مقابلہ میں بھی اس سے استفادہ کیا جاتا ہے؟ اور آیا تقیہ صرف احکام سے متعلق ہے یا موضوعات میں بھی ہوتا ہے؟ ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ تقیہ کا سبب آیا خوف شخصی ہے یا خوف نوعی؟ آیا تقیہ کی مخالفت فساد عمل کا باعث بنتی ہے یا نہیں۔ یہ اور اس کے علاوہ دوسری باتیں ان سب کو ہم تنبیہات میں ذکر کریں گے ہم خدا سے تمام امور میں حق کی طرف ہدایت اور توفیق کے طلبگار ہیں۔ اِنّہ قریبٌ مجیب۔

تقیہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

تقیہ لغت میں "وقی یقی" کا مصدر ہے اسم مصدر نہیں جیسا کہ شیخ انصاری نے فرمایا ہے بلکہ اسم مصدر تقوی ہے..... چنانچہ محقق فیروزآبادی "قاموس" میں فرماتے ہیں "اتقیت الشیء وتقیتہ تقیۃ" "میں فلاں چیز سے بچا" گویا کسی کی چیز سے بچنے کو تقیہ کہا جاتا ہے۔

بہرحال تقیہ کے اس معنی کا دائرہ جو فقہ، اصول اور علم کلام میں بیان ہوئے ہیں لغوی معنی کی بہ نسبت تنگ ہے۔ اس سلسلے میں علمائے کرام کی عبارتیں اور مضامین ہم تک پہنچے ہیں وہ مختلف ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علماء کے درمیان تقیہ کی حقیقت و مفاد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت پر سب ہی متفق ہیں۔ بطور نمونہ چند عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "تصحیح الاعتقاد" میں تقیہ کی تعریف یوں بیان کی ہے: حق اور عقیدۂ حق کو مخالفین سے پوشیدہ رکھنا اور جن چیزوں کے اظہار سے دینی یا دنیوی نقصان کا اندیشہ ہو ان کے ظاہر کرنے سے پرہیز کرنا۔[۱]

۲۔ شہیدؒ اپنی "قواعد" میں فرماتے ہیں: لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے معروف کی میں ان کے شانہ بشانہ چلنے کو تقیہ کہتے ہیں۔

۳۔ علامہ شیخ انصاریؒ "رسالہ التقیۃ" میں رقمطراز ہیں: "تقیہ سے مراد اپنے کو نقصان سے محفوظ رکھنے کے لئے قول و فعل میں مخالف حق غیر کی موافقت کرنا۔"

۴۔ علامہ شہرستانی مرحوم شیخ مفید کی کتاب "اوائل المقالات" کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: اگر کسی امرِ دینی کے اظہار میں خوف ضرر ہو تو اسے پوشیدہ رکھنا تقیہ کہلاتا ہے۔[۲]

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ تعریفوں میں سے بعض کا دائرہ وسیع ہے اور بعض کا تنگ ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کے معنی کی وضاحت کے پیش نظر کسی نے بھی اس کی جامع اور مانع اصطلاحی تعریف کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اسی لئے کسی نے دوسرے کی تعریف پر اعتراض بھی نہیں کیا ہے۔

اہم جس چیز کو ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ تقیہ ہر اس جماعت کے لئے ایک سپر ہے جس پر اکثریت کا غلبہ ہو اور اکثریت اس اقلیت کو اظہار عقیدہ اور اس کے مطابق عمل

۱۔ التقیۃ کتمان الحق وستر الاعتقاد فیہ ومکاتمۃ المخالفین وترک مظاہرتہم بما یعقب ضرراً فی الدین والدنیا۔ تصحیح الاعتقاد ص ۶۶۔

۲۔ اوائل المقالات ص ۹۶۔

کرنے کی اجازت نہ دیتی ہو، تو وہ اقلیت اپنے جان و ناموس کو متعصب مخالفوں کی دست برد و غارت گری سے محفوظ رکھنے کے لئے فطرت کے عین مطابق کبھی تو تقیہ کا سہارا لیتے ہیں کہ جب حفظ نفوس و اموال حفظ حق کی بہ نسبت اہم ہوتا ہے۔ اور جب وہ سمجھتے ہیں کہ اظہار حق یا عقیدہ اہم ہے تو تقیہ کو ترک کرتے ہوئے ہر طرح کا نقصان برداشت کرتے ہیں اور آخر کار موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔ چنانچہ جب انسان ایسے دوراہے پر کھڑا ہو جس کے ایک طرف اہم اور دوسری طرف مہم ہو تو عقل بھی اہم کو اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے اور اسی کا نام تقیہ ہے جو حکم عقل کے عین مطابق ہے۔

لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ نہ فقط شیعہ تقیہ کرتے ہیں اور نہ ہی تقیہ شیعوں سے مخصوص ہے، اگرچہ شیعوں ہی کو بدنام کر دیا گیا ہے۔ ملک دنیا میں ہر وہ قوم تقیہ کرتی ہے جو شیعوں جیسی مصیبتوں میں مبتلا ہو۔ شیعوں کے ساتھ تقیہ اس لئے مشہور کر دیا گیا ہے کہ اکثر ادوار میں تقریباً ہر جگہ ظالم حکمرانوں کی سلطنت رہی ہے، چنانچہ کوئی بھی اقلیت جب ایسی صورت میں ہو تو تقیہ اس کی ناگزیر ضرورت ہو جاتا ہے۔

قرآن اور بہت سی احادیث شاہد ہیں کہ ایسے ہی حالات میں مومن آل فرعون اور اصحاب کہف نے تقیہ کو حفاظت کا وسیلہ بنایا بلکہ بعض وجوہ کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ بت پرستوں کی کٹ حجتی کے مقابل میں حضرت ابراہیمؑ نے اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مکالمہ میں حضرت یوسفؑ نے تقیہ سے کام لیا ہے۔

تقیہ کا حکم تکلیفی

علمائے امامیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ تقیہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔ ہماری تحقیق بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

ہم اپنی بحث کا آغاز جوازِ تقیہ سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی حرمت اور پھر استحباب و کراہت کو بیان کریں گے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض موقعوں پر تقیہ جائز ہے جس کی دلیل اجماع، روایات قرآن کے علاوہ احادیث متواترہ اور عقل سلیم ہیں۔ پہلے ہم آیات کو ذکر کرتے ہیں...... چنانچہ سورۂ آل عمران میں ارشاد رب العزت ہے۔ لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منہم تقاۃ ویحذرکم اللہ نفسہ والی اللہ المصیر۔ (آیت ۲۸)

ترجمہ:

مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں جو بھی ایسا کرے گا اس کا خدا سے

کوئی رابطہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر ان سے خطرہ لاحق ہو تو ایسا کر سکتے ہیں (یعنی تقیہ کرتے ہوئے ان کو دوست بنا سکتے ہیں اور ان سے مدد لے سکتے ہیں......) اسی طرح کی ایک روایت ہے جس میں ارشاد ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودۃ وقد کفروا بما جاءکم من الحق[1] اس آیت میں بھی کافروں کو ولی بنا کر ان کے ساتھ دوستی و مودت برقرار کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اسی قسم کی بات ایک اور آیت میں ہے۔ لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ[2]

ترجمہ:

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والی کوئی بھی قوم ان کے دشمنوں سے مودت نہیں رکھ سکتی...... یہاں تک ذکر کرنے کے بعد تقیہ کی حالت کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے یعنی تقیہ کی حالت میں ان کو ولی بنا کر ان سے مودت رکھنا جائز ہے۔ اگرچہ حکم اولی کے تحت ایسا کرنا حرام ہے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ تقاۃ سے مراد تقیہ ہے۔ اور تقیہ اور تقاۃ دونوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ بلکہ حسن اور مجاہد کی قرائتوں میں "تقاۃ" کے بجائے تقیہ ہے...... امین الاسلام طبرسی مجمع البیان میں آیت کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار غلبہ رکھتے ہوں اور اہل ایمان مغلوب ہوں اور کفار

۱۔ سورۂ ممتحنہ ۱۔

۲۔ سورۂ مجادلہ آیت ۲۲۔

سے ساتھ حسن معاشرت اور موافقت نہ رکھنے کی صورت میں مومن کا خوف لاحق ہو تو تقیہ کرتے ہوئے زبانی طور پر اظہار محبت و مودت جائز ہے لیکن دلی اعتقاد نہیں ہونا چاہیے ...... چنانچہ اگر خوف کو جان کا خطرہ ہو تو آیت اس وقت دین میں تقیہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اسی بنا پر اصحاب تشیع ضرورت کے وقت ہر طرح کے اقوال میں تقیہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی لطف و خیر خواہی کے عنوان سے تقیہ اقوال میں واجب ہو جاتا ہے۔ اور افعال میں اگر تقیہ قتل مومن اور دین میں فساد کا باعث بنے تو جائز نہیں ہے۔[1]

شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: جان کے خوف پر تقیہ ہمارے نزدیک واجب ہے۔ اگرچہ اظہار حق کا جواز بھی روایت میں آیا ہے۔...... ہم نے حسن روایت کرتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب نے حضرت رسالتؐ کے دو صحابیوں کو گرفتار کیا ایک سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔؟ اس نے کہا "ہاں"۔ مسیلمہ نے "کیا تم شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔؟" صحابی نے کہا "ہاں" مسیلمہ کذاب نے دوسرے شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔؟" اس شخص نے کہا "ہاں" مسیلمہ کذاب نے پوچھا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔؟" صحابی نے جواب دیا "میں بہرا ہوں" مسیلمہ کذاب نے تین مرتبہ اس سے پوچھا مگر صحابی نے وہی جواب دیا۔ تب مسیلمہ کذاب نے اسے قتل کر دیا...... خبر جب رسول اکرمؐ تک پہونچی تو آنحضرتؐ نے فرمایا مقتول نے صدق و یقین پر عمل کر کے فضیلت کا مقام حاصل کیا جو اس کیلئے مبارک ہو......

۱۔ مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۴۳۰۔

رہ گیا دوسرا شخص تو اس نے رخصت کی رعایتی چھوٹ سے استفادہ کیا ہے لہٰذا وہ معذور ہے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ تقیہ چھوٹ ہے جب کہ اظہار حق فضیلت ہے حالانکہ ہماری احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ واجب ہے اور اس کی مخالفت خطا ہے یہ تھے شیخ الطائفہ۔ لیکن ہم اپنے قارئین کو عنقریب بتائیں گے کہ بعض موقعوں پر تقیہ واجب ہے اور بعض پر جائز۔ کچھ موارد ایسے ہیں کہ جہاں تقیہ مستحب ہے جب کہ کچھ موارد میں ترک تقیہ اور اظہار حق ضروری ہے۔ اور چونکہ تمام روایات ایک ہی موضوع کے لئے نہیں ہیں لہٰذا ان میں تعارض نہیں جیسا کہ شیخ طوسی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے...... مختصر یہ کہ آیت بطور اجمال جواز تقیہ پر دلالت کرتی ہے بلکہ آیت میں عنوان تقیہ بطور واضح مذکور ہے۔ اس لئے کہ تقیہ و تقاۃ کے ایک ہی معنی ہیں اور آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ایک سے زیادہ قاریوں نے "تقاۃ" کی جگہ "تقیہ" کی قرات کی ہے۔

اس قبیل کی ایک آیت سورہ نحل میں ہے۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم (۱۰۶) اس آیت کے شان نزول میں مفسروں نے جن امور کو ذکر کیا ہے وہ آپس میں قریب المعنی ہیں۔ اگرچہ اشخاص و اماکن میں اختلاف ہے۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ مذکورہ آیت حضرت عمار، ان کے والد یاسر و والدہ سمیہ و صہیب، بلال اور   کی شان میں نازل ہوئی ہے کفار نے ان حضرات کو قید کر کے سخت اذیتیں دیں اور ان کو اسلام و رسولؐ خدا سے بیزاری اور کلمہ کفر جاری کرنے پر مجبور کیا۔

حضرت عمارؓ کے والدین نے صاف انکار کر دیا اور اسلام میں پہلے دو شہید ہونے کا شرف حاصل کیا۔

حضرت عمارؓ نے زبان سے وہ کہا جو کفار چاہتے تھے لیکن ان کا دل مطمئن تھا۔ اسی درمیان کچھ لوگوں نے حضورؐ کو بتایا کہ عمارؓ کافر ہو گئے۔ تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ عمارؓ سر سے پاؤں تک ایمان میں ہے ایمان اس کے گوشت و خون میں مخلوط ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ عمارؓ روتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا۔ عمارؓ تمہارے پیچھے کیا خبر ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ شری خبر ہے۔ مجھے مجبور کیا گیا کہ میں آپ سے بیزاری ظاہر کروں اور ان کے خداؤں کی تعریف کروں ..... آنحضرتؐ نے عمارؓ کے آنسو پونچھے اور فرمایا اگر دوبارہ مجبور کریں تو وہی کہہ دو جو وہ چاہتے ہیں ..... اسی پر آیت نازل ہوئی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بھائی عیاش ابن ابو ربیعہ اور ابی جندل وغیرہ کی شان میں اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے ان کو وہ کہنے پر مجبور کیا جو وہ چاہتے تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے ہجرت اختیار کی اور جہاد میں حصہ لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

کچھ مفسرین کا بیان ہے کہ مکہ کے کچھ لوگ ایمان سے مشرف ہو کر جب مدینہ کی جانب روانہ ہوئے تو راستہ میں قریش نے ان کو اظہار کفر پر مجبور کیا۔ تو ان کے مجبوری میں ایسا کرنے پر آیت نازل ہوئی۔

لیکن ان میں پہلا قول زیادہ مشہور ہے ... آیت کریمہ ضرورت کے وقت بطور تقیہ اظہار کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہے جب انسان کا قصد کفر نہ ہو۔ اگرچہ آیت مقام اکراہ میں نازل ہوئی ہے اور تقیہ میں اکراہ معتبر نہیں ہے۔ بلکہ بغیر اکراہ کے بھی تقیہ جائز ہے۔ لیکن اگر دقت کی جائے تو اکراہ اور تقیہ کے ملاک میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ دونوں کا ملاک ترک اہم کے ذریعہ ضرر اہم کا ازالہ ہے۔

یہ آخری آیت کے عنوان کے اعتبار سے ہے۔ باعتبار دیگر اگرچہ یہ آیت کفر و ایمان سے متعلق ہے۔ لیکن حکم آیت ان دونوں کے علاوہ میں بدرجۂ اولیٰ جاری ہے۔ اس لئے کہ جب کفر و ایمان جیسے بنیادی مسئلہ میں تقیہ جائز ہے تو دیگر مسائل میں شرائط کی موجودگی میں قطعی طور پر جائز ہے ....

چنانچہ محقق بیضاوی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ یہ مجبوری میں یہ آیت کلام کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہے اگرچہ دین کے اعزاز کی خاطر اس سے پرہیز کرنا افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت عمارؓ کے والدین نے کیا۔ پھر انہوں نے حسن بصری کی گذشتہ روایت نقل کی ہے کہ جس میں دو افراد کے بارے میں ہے جن کو مسیلمہ نے گرفتار کر کے اپنی نبوت کی جھوٹی گواہی دلوانی چاہی تھی ایک نے انکار کیا حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے نے رب العالمین کی رخصت سے فائدہ اٹھایا جبکہ دوسرے نے حق کو برملا کیا اور وہ اسے مبارک ہو۔

اسی طرح کی ایک آیت سورۂ غافر میں ہے۔ جس میں مومن آل فرعون کا ذکر ہے۔ "وقال رجل مؤمن من آل فرعون یکتم ایمانہ اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم ۔ غافر آیت ۲۸ ۔

یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت مومن آل فرعون کا قصہ اور اپنی قوم کے ساتھ ان کے احتجاج کو بیان کرتی ہے جس کو قرآن نے رضا و خوشنودی کی زبان میں پیش کیا ہے .... یہاں تک کہ "یوم التناد" کو بھی اسی انداز میں نقل کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر جان کا خطرہ و خوف ہو تو کتمان ایمان جائز ہے بیشک کتمان ایمان صرف ایمان کے ظاہر نہ کرنے سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے ایمان کے خلاف بھی بولنا پڑتا ہے۔ خصوصاً ایسے موقع پر جب کتمان ایمان کا زمانہ مومن آل فرعون کی طرح طولانی ہو۔ اس وقت کفار کے ساتھ اعمال میں اشتراک اور ان کے مخصوص اعمال ترک کئے بغیر ممکن نہیں کہ انسان اپنا ایمان پوشیدہ رکھ سکے ....

بہر حال یہ کہنا کہ کتمان ایمان کا مطلب حق کے خلاف کچھ کہنا غیر حق کا اظہار کرنا ہے تو یہ صرف زبانی دعویٰ ہوگا۔ خاص طور سے ابن عباس کی نقل کے مطابق اس وقت کل زمین میں مومن آل فرعون جن کو حضرت موسیٰ نے مومن بنالیا تھا اور فرعون کی بیوی کے علاوہ کوئی مومن تھا ہی نہیں...... اب اگر کوئی شخص ایسے موقع پر خلاف ایمان کچھ کہہ ڈالے تو اسے تقیہ کہا جاتا ہے۔ اور آیت بطور اجمال اس پر دلالت کرتی ہے...... چنانچہ طبرسی نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا

التقیۃ دینی ودین آبائی ولا دین لمن لا تقیۃ لہ والتقیۃ ترس اللہ فی الارض لان مومن آل فرعون لو اظہر الاسلام لقتل[1]

[1] مجمع البیان جلد [illegible]

ترجمہ:

تقیہ میرا اور میرے آباء و اجداد کا دین ہے جس کے پاس تقیہ نہیں اس کے پاس دین نہیں۔ یہ زمین پر اللہ کی سپر ہے۔ چنانچہ مومن آل فرعون اگر اسلام کو ظاہر کر دیتے تو قتل کر دیئے جاتے...... مذکورہ بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تینوں آیتیں جان کے خطرے کے وقت واضح طور پر تقیہ کو واجب قرار دیتی ہیں۔ روایات جو ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے ان سے ظاہر ہوگا کہ موارد تقیہ بھی فقط وہی نہیں جو گذشتہ آیتوں میں بیان ہوئے بلکہ عمل اصحاب کہف اور شیخ الانبیاء حضرت ابراہیمؑ کا بت توڑنے کے بعد اپنی قوم کے سامنے جواب، حضرت یوسف کی اپنے بھائی کو اپنے پاس روکنے کے وقت بھائیوں سے گفتگو وغیرہ سب کچھ تقیہ پر مبنی تھا جس کے بارے میں ہم عنقریب عرض کریں گے کہ تقیہ صرف جان کے خطرے کے وقت حق کو چھپانے اور اس کے خلاف کہنے کا نام ہی نہیں بلکہ کچھ دوسرے مصالح کی بنا پر بھی اگر حق کو چھپایا جائے تو اسے تقیہ کہتے ہیں...... بہر کیف یہ تھا تقیہ کے جائز ہونے کے بارے میں قرآن کریم کا جلی اور روشن فیصلہ۔

احادیث تقیہ

مواقع خوف میں عمل تقیہ کے جواز پر دلالت کرنے والی احادیث کے متواتر ہونے میں شک نہیں۔ یہ احادیث چند حصوں میں منقسم ہیں۔ اور ہر ایک حصہ بعض خصوصیات تقیہ کے بارے میں ہے۔ مذکورہ احادیث بے شمار فوائد و لطائف پر مشتمل ہیں...... جن میں تقیہ کے اسباب و نتائج، کیفیت، حدود، اقسام اور وجوب و حرمت کے علاوہ ان مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں تقیہ نہیں کیا جاتا۔

یہ احادیث "الوسائل" کی گیارھویں جلد کتاب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بہت سے ابواب میں مذکور ہیں۔ چنانچہ......

ہماری تقسیم کے مطابق یہ احادیث پانچ طائفوں پر مشتمل ہیں۔

پہلا طائفہ

ان احادیث پر مبنی ہے جو تقیہ کو مومن کے لئے سپر، حرز جان اور محافظ نفس قرار دیتی

ہیں۔ اس معنی کے تحت بہت ساری احادیث ہیں۔ جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

۱۔ کلینی کافی میں اپنی سند کے ساتھ معمر بن مروان کے واسطے سے ابی عبداللہ (ع) سے ناقل ہیں۔ آپ نے فرمایا میرے والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ "تقیہ سے بڑھ کر کوئی چیز میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ تقیہ مومن کی سپر ہے۔"[1]

۲۔ کافی میں کلینی عبداللہ ابن ابی عبداللہ ابن ابی یعفور سے روایت کرتے ہیں۔ ابی یعفور راوی ہیں کہ میں نے ابی عبداللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے "تقیہ مومن کے لئے سپر اور حرز جان ہے۔"[2]

۳۔ کلینی نے کافی میں حریز کے حوالے سے ابی عبداللہ سے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا "تقیہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان اس کی سپر ہے۔"[3]

۴۔ سعد ابن عبداللہ نے بصائر الدرجات میں جمیل بن صالح کے واسطے سے ابی عبداللہ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے بزرگوار فرمایا کرتے تھے۔ تقیہ سے زیادہ کوئی چیز میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں۔ اس لئے کہ تقیہ مومن کی سپر ہے۔"[4]

۱۔ عن ابی عبداللہ (ع) قال کان ابی یقول وای شیء اقر لعینی من التقیۃ ان التقیۃ جنۃ المؤمن — وسائل جلد ۱۱

۲۔ قال سمعت ابا عبداللہ یقول التقیۃ ترس المؤمن والتقیۃ حرز المؤمن۔ وسائل جلد ۱۱

۳۔ عن حریز عن ابی عبداللہ (ع) قال التقیۃ ترس اللہ بینہ وبین خلقہ۔ جلد ۱۱ باب ۲۴ ابواب امر بالمعروف۔

۴۔ عن جمیل بن صالح عن ابی عبداللہ (ع) قال قال ابی وای شیء اقر لعینی من التقیۃ [illegible]

یہ روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جس طرح حفاظت میدان جنگ میں دشمن کے حملے سے محفوظ رہنے کے لئے سپر کا سہارا لینا ہے اسی طرح حفظ نفس کے لئے تقیہ کا سہارا لے سکتا ہے اور چونکہ دشمن کے حملے سے بچنے کے لئے سپر کا استعمال واجب ہے لہذا کہا جا سکتا ہے کہ تقیہ کے ذریعہ بھی دشمن سے مخفی رہنا واجب ہے۔ ..... اب اگر کوئی ان روایات کی وجوب تقیہ پر دلالت کو تسلیم نہیں کرتا تب بھی جواز تقیہ پر ان کی دلالت سے انکار نہیں کر سکتا۔

دوسرا طائفہ:

وہ روایات ہیں کہ جو تقیہ کے نہ ہونے کی صورت میں دین اور ایمان کی نفی کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تقیہ دین ہے اور تقیہ کے بغیر دین ناقص ہے

۵۔ کلینی نے کافی میں اپنی سند کے ساتھ ابی عمر عجمی سے روایت کی ہے عجمی کہتے ہیں مجھ سے ابو عبداللہ نے فرمایا "اے ابو عمر! دین کے دس حصوں میں سے نو حصہ تقیہ میں ہیں اور جس کے پاس تقیہ نہیں اس کے پاس دین نہیں۔"[1]

۶۔ علل الشرائع میں صدوق (رح) ابو بصیر سے ناقل ہیں کہ امام جعفر صادق نے فرمایا تقیہ خدائے عزوجل کا دین ہے۔ میں نے عرض کی اللہ کے دین میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ۔

ان التقیۃ جنۃ المؤمن۔ ج ۲۴ ۔ باب ۲۴ ۔ ابواب امر بالمعروف۔

۱۔ عن ابی عمر الاعجمی قال ۔ قال ابو عبداللہ (ع) ، یا ابا عمر ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ ۔ ج ۲ ۔ باب ۲۴ ۔ کتاب امر بالمعروف۔

خدا کی قسم اللہ کے دین میں سے ہے۔[1]

۷۔ صدوقؒ صفات الشیعہ میں ابان بن عثمان کے ذریعے امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: "جو تقیہ نہیں رکھتا وہ دین دار نہیں اور جس کے پاس ورع نہیں وہ ایمان دار نہیں ہے۔"[2]

۸۔ یہ وہ روایت ہے جس کو کلینیؒ نے ابن ابی یعفور کے حوالے سے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا: "جس کے پاس تقیہ نہیں وہ ایمان نہیں رکھتا۔"[3]

ان کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں۔

ان روایات سے بطور اجمال ظاہر ہوتا ہے کہ مقامات تقیہ میں تقیہ واجب ہے اور یہ کہ تقیہ دین کے اہم اور عمدہ مسائل میں سے ہے۔ عنقریب ہم اس کی تاکید کی علت بیان کریں گے اور اگر اس کی حدود و شرائط کی رعایت کی جائے تو تقیہ فطری امر ہے جس کی گواہی ہر انسان کا ضمیر دیتا ہے۔

تیسرا طائفہ:

اس طائفہ کی روایات بیان کرتی ہیں کہ تقیہ عظیم ترین فرائض میں سے ہے۔ اللہ کے

۱۔ عن ابی بصیر قال قال ابو عبداللہ: التقیۃ من دین اللّٰہ، قلت من دین اللّٰہ؟ قال ای واللّٰہ من دین اللّٰہ [illegible] ج ۱۱، باب ۲۴ کتاب امر بالمعروف۔

۲۔ عن ابان بن عثمان عن الصادقؑ انہ قال: لا دین لمن لا تقیۃ لہ ولا ایمان لمن لا ورع لہ۔ ج ۱۱، باب ۲۴ کتاب امر بالمعروف۔

۳۔ عن ابن ابی یعفور عن الصادقؑ: لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ، الحدیث۔ ج ۱۱، باب ۲۴ کتاب امر بالمعروف

نزدیک سب سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل کرتا ہو اور ایمان بغیر تقیہ کے بے سر کا بدن ہے اور تقیہ میں خدا اور اس کے اولیاء کے نزدیک کوئی چیز تقیہ سے زیادہ پسندیدہ نہیں۔ روایات درج ذیل ہیں۔

۹۔ کلینیؒ نے کافی میں حبیب ابن بشر سے نقل کیا ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا: میں نے اپنے باپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ روئے زمین پر تقیہ سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں۔ اے حبیب جس کے پاس تقیہ کا ہتھیار ہو خدا اسے رفعت عطا کرتا ہے۔ اے حبیب! جس کے پاس تقیہ نہ ہو خدا اسے نیچا دکھاتا ہے۔ اے حبیب! لوگ غیبت میں بسر کر رہے ہیں۔ اگر غیبت کا زمانہ ختم ہو اور امام کا ظہور ہو جائے تو تقیہ واجب نہیں رہے گا۔[1]

۱۰۔ قول پروردگار متعال "وعملوا الصالحات" کی تشریح میں تفسیر امام حسن عسکریؑ میں منقول ہے: آنحضرتؑ نے فرمایا: "اس قول کا مطلب توحید کے بعد تمام فرائض کی انجام دہی اور نبوت و امامت کا اعتقاد رکھنا۔ لیکن سب سے بڑے دو فرائض ہیں۔ اپنے دینی بھائیوں کے حقوق ادا کرنا اور دشمنوں سے بچنے کے لئے تقیہ کا سہارا لینا۔"[2]

مخفی نہ رہے کہ وسائل کے اکتیسویں باب یعنی باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں متعدد حدیثیں نبویؐ ہیں اور امام حسن عسکریؑ تک ایک ایک معصوم امام سے منقول ہے کل ملاکر تیرہ حدیثیں ہیں اور بیشتر امام کی تفسیر اور اس کی وساطت سے منقول ہے۔ صاحب وسائل نے آئمہؑ کی ترتیب کے تحت ان کو نقل کیا ہے۔ اگرچہ ان کی عبارتیں اور الفاظ مختلف

۱۔ ج ۸، باب ۲۴، ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ ج ۱۲، باب ۲۸، ابواب امر بالمعروف۔

لیکن سبھی ایک مطلب کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور وہ یہ کہ ائمہ علیہم السلام کے نزدیک بہترین چیز اور ان کا پسندیدہ اخلاق، تقیہ اور دینی بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ ان کے نزدیک ترک تقیہ ناقابل بخشش گناہوں میں سے ہے۔

۱۱۔ تفسیر امام حسن عسکریؑ میں ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: بغیر تقیہ کے مومن ایسا ہی ہے جیسا بغیر سر کے بدن۔[۱]

۱۲۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: تقیہ مومن کے اعمال میں بہترین اعمال میں سے ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے نفس اور اپنے بھائیوں کو ظالموں سے محفوظ رکھتا ہے۔[۲]

یہ حدیث اس امر کی شاہد ہے کہ تقیہ صرف اپنی جان بچانے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اپنے بھائیوں کی جان بچانے کے لئے بھی ہوتا ہے۔ البتہ آگے چل کر تنبیہات میں عرض کریں گے کہ وہ مومن بھائی جن کے لئے تقیہ کیا جاتا ہے ان کا معلوم و مشخص ہونا ضروری ہے۔ یا غیر معین کے لئے بھی تقیہ جائز ہے۔ چاہے اشخاص معلوم نہ ہوں۔؟

۱۳۔ امام حسن عسکریؑ اپنے جد بزرگوار امام زین العابدینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "خدا مومن کے ہر گناہ کو بخش دیتا ہے اور اس کو دنیا و آخرت میں ہر گناہ کی آلودگی سے پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ مگر دو گناہوں کو نہیں بخشتا۔ ایک ترک تقیہ اور دوسرے اپنے بھائیوں کے حقوق پامال کرنا۔"[۳]

۱۔ ج ۲۔ باب ۲۸۔ الجہاد الامر بالمعروف۔

۲۔ عن امیر المؤمنین ع: التقیة من افضل اعمال المؤمن یصون بها نفسه واخوانه عن الفاجرین۔ ج ۲۔ باب ۲۸۔ الجہاد الامر بالمعروف۔

بقیہ آئندہ صفحہ۔

۱۴۔ امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں شخص ایک تہمت میں پکڑا گیا اور اسے سو کوڑے لگائے گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس نے مومن کا حق پامال کیا تھا اور تقیہ کو ترک کیا تھا اور پھر جب متوجہ ہوا تو اس نے توبہ کی۔[۴] یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ترک تقیہ صرف عذاب اخروی کا ہی باعث نہیں بنتا بلکہ دنیاوی عذاب کا باعث بھی بنتا ہے۔[۵]

۱۵۔ علی بن محمد الخزاز نے حسین ابن خالد کے حوالے سے امام رضاؑ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: جس کے پاس ورع نہیں وہ دین سے خالی ہے اور جس کے پاس تقیہ نہیں وہ ایمان سے بے بہرہ ہے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل کرتا ہو۔ عرض کیا گیا اے فرزند رسولؐ تقیہ کب تک؟ آپ نے فرمایا: قائمؑ کے قیام تک۔ جو قائمؑ کے ظہور سے پہلے تقیہ ترک کر دے وہ ہم سے نہیں ہے۔[۲]

صفحہ گزشتہ نمبر ۳۔ عن علی بن الحسین ع: یغفر الله للمؤمن کل ذنب ویطهره منه فی الدنیا والآخرة ما خلا ذنبین: ترک التقیة وتضییع حقوق الاخوان۔ ۴۔ ج ۲ باب ۲۸۔ الجہاد الامر بالمعروف

[illegible]

۲۔ علی بن محمد الخزاز عن الحسین بن خالد عن الرضا ع قال: لا دین لمن لا ورع له ولا ایمان لمن لا تقیة له، ان اکرمکم عند الله اعملکم بالتقیة۔ قیل یا ابن رسول الله الی متی؟ قال: الی یوم القائم فمن ترک التقیة قبل خروج قائمنا فلیس منا۔ ج ۲۔ ص ۲۵۲۔ باب ۲۳۔ الجہاد الامر بالمعروف۔

چوتھا طائفہ

وہ احادیث جو خصال انبیاء میں تقیہ کی نشاندہی کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ انبیاء سلف نے کئی مواقع پر تقیہ سے کام لیا ہے۔ روایات درج ذیل ہیں۔

۱۶۔ صدوقؒ نے "علل" میں ابی بصیر کے حوالے سے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس شخص کے پاس کوئی خیر نہیں جو تقیہ پر عمل نہیں کرتا جب کہ حضرت یوسفؑ نے تقیہ پر عمل کرتے ہوئے فرمایا: "اے قافلہ والو تم چور ہو" حالانکہ انھوں نے چوری نہیں کی تھی[1]۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ حضرت یوسفؑ نے بذات خود یہ ارشاد نہیں فرمایا بلکہ چونکہ آپ کے مرد اہلکار کی عنایت سے اُن کے ماتحتوں نے یہ جملہ کہا ہے لہٰذا اس کی نسبت حضرت یوسفؑ کی طرف دی گئی ہے۔ اس لئے کہ قافلہ والوں نے اس وقت کوئی چوری نہیں کی تھی بلکہ پہلے انھوں نے حضرت یوسفؑ کو چرایا تھا لہٰذا حضرت یوسفؑ کا اُن سے یہ جملہ کہلوانا جھوٹ نہیں بلکہ ایک قسم کا توریہ ہے۔ لیکن یہ توریہ بھی بعض مصالح کے تحت بجائے تقیہ حق کو پوشیدہ رکھ کے حضرت بنیامین کو اپنے پاس روک لینے کی خاطر کیا گیا۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ تقیہ بھی جان کے خطرے کو ٹالنے کے لئے نہیں بلکہ دوسرے مصالح کی بنا پر ہے۔ عنقریب ہم بیان کریں گے کہ تقیہ صرف خوف ہی کی بنا پر نہیں ہوتا۔

۱۔ عن ابی بصیر قال سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول لا خیر فیمن لا تقیۃ لہ ولقد قال یوسف "ایتھا العیر انکم لسارقون" وما سرقوا۔ ج ۱۱ باب ۲۴۔ الامر بالمعروف۔

البتہ واضح رہے کہ تقیہ کی یہ قسمیں بیان احکام اور تبلیغ رسالت میں نہیں جس کی بنا پر کسی کو یہ وہم ہو کہ انبیاء و مرسلین کے لئے تقیہ جائز نہیں۔ بلکہ یہ باب تبلیغ کے علاوہ بعض مصالح کی حفاظت کے لئے ہیں۔

۱۷۔ اس روایت کو بھی حضرت صدوقؒ نے "علل" میں ابو بصیر کے واسطے سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: "تقیہ دین پروردگار کا حصہ ہے۔" میں نے عرض کی: "کیا تقیہ دین خدا کا جزء ہے؟" تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم ایسا ہی ہے۔ اسی لئے حضرت یوسفؑ نے فرمایا: اے قافلہ والو! تم نے چوری کی ہے۔ حالانکہ خدا کی قسم انھوں نے کچھ نہیں چرایا[1]۔

...... اس روایت کی توجیہ بھی وہی ہے جو گذشتہ روایت کی ہے۔

۱۸۔ اس روایت کو کلینی نے کافی میں ابو بصیر کے حوالے سے حضرت ابو عبد اللہ سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا تقیہ دین خدا کا جزء ہے۔ اس کے بعد وہی پہلی روایت والے فقرے ارشاد فرمانے کے بعد امامؑ نے فرمایا: بے شک حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا "میں بیمار ہوں" جب کہ خدا کی قسم وہ بیمار نہیں تھے[2]۔

۱۔ عن ابی بصیر قال قال ابو عبد اللہ التقیۃ من دین اللہ عزوجل قلت من دین اللہ؟ قال ای واللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف "ایتھا العیر انکم لسارقون" واللہ ما کانوا سرقوا شیئا۔ ج ۱۸ باب ۲۴۔ الامر بالمعروف۔

۲۔ رواہ الکلینی عن ابی بصیر ایضا قال قال ابو عبد اللہ التقیۃ من دین اللہ ثم ذکر مثل الحدیث الاول ثم قال ولقد قال ابراہیم "انی سقیم" واللہ ما کان سقیما۔ ج ۱۱ باب ۲۵۔ الامر بالمعروف۔

جناب ابراہیمؑ کے اس قول کو صرف اس بنا پر تقیہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دینی مصلحتوں کی بنا پر اپنی حالت کو پوشیدہ رکھا۔ یہ احکام میں تقیہ نہیں بلکہ یہ موضوعات میں ہے جو آپ کی رسالت سے منافات نہیں رکھتا۔ بلکہ بت شکنی عین اظہار رسالت ہے۔

۱۹۔ معانی الاخبار میں سفیان ابن سعید کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا تم پر تقیہ لازمی ہے اس لئے کہ بے شک تقیہ سنت خلیل خدا ہے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: رسول خدا جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنے خاندان والوں کے ساتھ مدارات کرتے تھے اور فرماتے تھے مجھے میرے پروردگار نے لوگوں کے ساتھ مدارات کا حکم دیا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح سے ادائے فرائض پر مامور فرمایا ہے۔ خدا نے آنحضرت کو تقیہ کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا: "ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینک وبینه عداوة كانه ولی حمیم وما يلقاها الا الذين صبروا" اے سفیان جو دین خدا میں تقیہ استعمال کرتا ہے وہ قرآن سے بہرہ ور ہو فائدہ اٹھاتا ہے بے شک مومن کی عزت زبان کی حفاظت میں ہے۔ جو شخص اپنی زبان کا مالک نہیں وہ ندامت اٹھاتا ہے۔[1]

یہ روایت شاہد ہے کہ پیغمبر اسلامؐ بھی بعض موضوعات میں لوگوں کے ساتھ مدارات اور قلوب مومنین سے بغض و عداوت دور کرنے کی خاطر تقیہ سے کام لیا کرتے تھے جب کہ احکام و تبلیغ رسالت میں ہرگز تقیہ نہیں کرتے تھے۔

اس روایت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بتوں کے سلسلہ میں حضرت ابراہیمؑ کا تقیہ یہ کہتے ہوئے کہ "میں بیمار ہوں" یا حضرت کا یہ فرمانا "یہ میرا پروردگار ہے" یا یہ قول کہ

۱۔ ج ۱۱ ۔ باب ۲۴ ابواب امر بالمعروف۔

* "بلکہ ان کے بڑے نے یہ فعل انجام دیا ہے" حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ اور یہ تقیہ کے ایک وسیع مفہوم میں داخل ہے جو بعض اہم مصالح کی خاطر کسی اہم امر کو پوشیدہ رکھنا کا ہے۔

۲۰۔ کلینی نے ہشام ابن سالم کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک ابو طالب کی مثال اصحاب کہف جیسی ہے جنھوں نے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور شرک کا اظہار کیا پس خدا نے ان کو دوہرا اجر عطا فرمایا۔[1]

مذکورہ روایت اگرچہ نبیوں کے تقیہ کے بارے میں نہیں تاہم ہم نے اس کو نبیوں کے تقیہ سے ملحق کر کے ذکر کیا ہے۔ ...... قرآن مجید میں اصحاب کہف کا قصہ موجود ہے۔ لیکن اس میں لفظ تقیہ صراحت کے ساتھ موجود نہیں۔ مگر قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب کہف اپنے دشمنوں سے تقیہ کرتے تھے اور آخر میں اپنی قوم سے کنارہ کشی کر کے انھوں نے اپنے راز فاش ہو جانے کے نتیجہ میں بادشاہ کی سختیوں کے خوف سے ایک غار میں پناہ لے لی۔ اگر وہ اپنے دین کو ظاہر کر دیتے تو قتل کر دیئے جاتے۔ اسی لئے وہ ایک عرصہ تک اپنا ایمان چھپاتے رہے یہاں تک کہ خدا نے ان کو ہجرت کر جانے کی توفیق عطا فرما دی۔ وہ اظہار ایمان کی فرصت کی تلاش میں اپنی قوم کے درمیان سے ہجرت کر گئے لیکن تقیہ میں رہ کر اظہار شرک کرنا پڑا۔ ...... روایات اور آیات میں اس طرح کے شواہد موجود ہیں اگرچہ لفظ تقیہ سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے لیکن مطلب مقصود واضح ہے کہ لفظ تقیہ کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

* حضرت پیغمبر اسلامؐ کے عم بزرگوار جو دل و جان سے حضورؐ کی حمایت میں کوشاں

۱۔ ج ۱۱ ۔ باب ۲۹ ۔ ابواب امر بالمعروف۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ابو طالب نے شرک کا اظہار کیا (مترجم)

درست ہے کہ تقیہ پر بھی دلالت کرتا ہے۔ .... البتہ ان کا تقیہ کرنا موقع پر ان کے اظہار ایمان سے منافات نہیں رکھتا جیسا کہ تاریخ و روایات سے پتہ چلتا ہے..... مگر حضرت ابو طالب اگر تقیہ کرتے تھے نہ ہمیشہ اور وہ بھی دشمنوں سے ہوتا تھا نہ کہ دوستوں سے مثلاً اسی وجہ سے مخالفین نے ان پر معاذ اللہ مشرک ہونے کا الزام لگایا ہے۔

بہر حال یہ روایات کم سے کم ان موارد تقیہ میں اس کے استحباب یا وجوب پر دلالت کرتی ہیں جن میں مفاد حق واجب ہو یا کم سے کم رجحان رکھتا ہو...... اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں جو تقیہ کے رجحان یا وجوب پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ آئندہ بحثوں میں ہم ان روایات کو ذکر کریں گے اور چونکہ یہ روایات متواتر ہیں لہذا اصل وجوب تقیہ میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

چند ضروری امور

اوّل۔ تقیہ میں اسقدر تاکید کی علت اور سبب کیا ہے؟

اس کا جواب پیش کرنے سے پہلے ہم سوال کی وضاحت کر دیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان روایات کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ تقیہ میں اتنی تاکید ہے جو دوسرے مسائل میں کم نظیر ہے۔ چنانچہ اس کی وجہ سے وحشت اور بدظنی میں مبتلا ہوتا ہے کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ حالانکہ یہ وحشت اور بدگمانی تقیہ کے اسرار و رموز نہ جاننے کی بنا پر ہے...... اس کے برعکس اگر انسان تقیہ اور اس کی مشروعیت کے ماخذ میں تدبر سے کام لے کر ان شواہد کا مطالعہ کرے جو اس میں موجود ہیں تو اس کا راز اس کے سامنے منکشف ہو کر تقیہ کی حقیقی تصویر پیش کرے گا جس کے نتیجہ میں یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ امر تقیہ میں اسقدر اہتمام کی دو بڑی وجہیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی وجہ:

یہ ہے کہ شیعوں میں سے عوام کی اکثریت اور بعض خواص امویوں اور عباسیوں جیسی فاسد حکومتوں کے سامنے بلا خوف و خطر اور بغیر کسی دلیل قطعی کے اظہار حق کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے تھے ...... گویا ان کا نظریہ یہ تھا کہ اعلان حق ضروری ہے چاہے وہ منفعت بخش اور واجب بھی ہو اور اس کو پوشیدہ رکھنا حرام ہے چاہے مذہب اور اس کے مقدسات کے لیے باعث ضعف و نقصان ہی ہو، بلکہ چاہے احقاق حق خود مذہب کی حفاظت اور اس کے مقدسات کے لیے مفید ہی کیوں نہ ہو ...... یا ......

...... وہ یہ خیال کرتے تھے کہ تقیہ جھوٹ ہے اور کلمۂ کفر کا زبان پر لانا شرک و کفر ہے چاہے دل ایمان سے مطمئن ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کلمۂ کفر کے اظہار کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے اور انھوں نے یہ گمان کیا کہ وہ مذہب سے خارج ہو گئے ہیں جو ان کے لیے ہلاکت کے مترادف ہے ...... چونکہ صورت حال یہ تھی لہٰذا آئمہ معصومین علیہم السلام نے ایسے غیر مفید اعمال سے روکا اور ان کو بالکل ناکارہ کر دیا جس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے ایسے موارد میں تقیہ کو سپر اور ڈھال وغیرہ سے تعبیر کیا۔[1]

اس کے علاوہ امام جعفر صادق کی وہ روایت ہے کہ جس کو حذیفہ نے پروردگار عالم کے اس قول " ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ " کے بارے میں نقل کیا ہے۔ امام نے فرمایا کہ یہ تقیہ کے بارے میں ہے۔[2] ...... اور ...... شاید روایات

۱۔ ج ۳۵ ۔ باب ۲۴ ۔ الامر بالمعروف۔

کہ جس میں انبیاء اور اولیاء کے تقیہ کا تذکرہ ہے اس امر کی بہترین دلیل ہیں کہ تقیہ نہ تو کذب محض ہے اور نہ کفر اور دین سے خارج ہو جانے کا موجب ہے بشرطیکہ موقع پر ہو۔ چنانچہ ان کی کتب شہادات میں ہم وہ روایات پیش کر رہے ہیں کہ جس کو کلینی نے " درست واسطی " کے ذریعہ ابو عبداللہ سے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ اصحاب کہف جیسا تقیہ کسی نے نہیں کیا۔ اگرچہ وہ عیدوں میں شریک ہوتے تھے اور " زنار " بھی باندھتے تھے مگر خدا نے ان کو دوہرا اجر کرامت فرمایا۔[1]

دوسری وجہ:

یہ ہے کہ شیعہ علماء کی اکثریت اور بعض خواص اپنے کو مسلمانوں سے الگ کر لینے ہی میں عافیت سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ اگر وہ اپنے عقیدے کا اظہار کرتے تھے تو اس سے نہ صرف ان کی جان کا خطرہ ہوتا تھا بلکہ دشمنی و بغض میں بھی اضافہ ہوتا تھا، اور اگر وہ اس کو چھپانے پر مجبور ہوتے تھے تو وہ خود کو حق کے سامنے قصوروار سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو جھوٹ کا مرتکب خیال کرتے تھے۔ لہٰذا وہ سنی مسلمانوں کے ساتھ ترک معاشرت ہی کو ترجیح دیتے تھے جبکہ وہ اس ترک معاشرت کے نقصانات سے قطعی طور پر غافل تھے کہ اس سے خشونت و بے ایلی میں اضافہ ہوتا ہے، اور عواطف انسانیہ کو ٹھیس پہنچتی ہے ...... چنانچہ ...... آئمہ علیہم السلام نے ان کو سنیوں کے ساتھ معاشرت برقرار رکھنے کی تاکید کی تاکہ ان پر ترک معاشرت کا الزام نہ لگایا جائے اور وہ اپنے اماموں کے لیے بدنامی کا باعث نہ بنیں۔

۱۔ ج ۱۱ ۔ باب ۲۹ ۔ الامر بالمعروف۔

چاہے اس حالت میں ان کو تقیہ کا وسیلہ ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔ جیسا کہ اس سلسلے کی درج ذیل روایتیں ہیں

۱۔ کافی میں کلینی نے ہشام کندی کی زبانی نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں میں نے صادق آل محمد کو فرماتے ہوئے سنا..... خبردار! کوئی ایسا کام نہ کرنا جس کی وجہ سے لوگ ہم پر انگلی اٹھائیں اس لئے کہ بیٹے کی نالائقی کے سبب لوگ اس کے باپ پر انگلی اٹھاتے ہیں۔ اپنے گذشتگان کی نیک نامی کا باعث بنو ان کی بدنامی کا باعث نہ بنو۔ سنیوں کے ساتھ نماز پڑھو، ان کے مریضوں کی عیادت کرو۔ ان کے جنازوں میں شرکت کرو........ یاد رکھو! وہ تم پر کسی امر خیر میں سبقت نہ لے جائیں۔ اس لئے کہ انجام خیر کے لئے ان کی بنسبت تم زیادہ بہتر ہو۔ خدا کی قسم تقیہ سے زیادہ بہتر کسی چیز کے ذریعہ بھی خدا کی عبادت نہیں کی گئی ہے۔[1]

یہ روایت بہ بانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ اہل سنت سے کنارہ کشی درست نہیں بلکہ ان کے ساتھ معاشرت لازم ہے۔ مثال کے طور پر ان کے ساتھ نمازوں، ان کے مریضوں کی عیادت، جنازوں میں شرکت اور اس کے علاوہ تمام امور میں ان کے ساتھ تعاون اور حسن معاشرت لازمی ہے۔ تا کہ وہ تنگ معاشرت کے بہانے سے تمہارے اوپر انگلی نہ اٹھا سکیں

۱۔ الکافی عن ہشام الکندی قال سمعت ابا عبد اللہ یقول: ایاکم ان تعملوا عملاً نعیّر بہ فان ولد السوء یعیّر والدہ بعملہ، کونوا لمن انقطعتم الیہ زیناً ولا تکونوا علیہ شیناً، صلّوا فی عشائرہم وعودوا مرضاہم واشہدوا جنائزہم ولا یسبقونکم الی شیء من الخیر فانتم اولی بہ منہم، واللہ ما عبد اللہ بشیء احب الیہ من الخباء، قلت وما الخباء؟ قال: التقیۃ۔ ج ۲ ص باب ۳۶۔ ابواب امر المعروف۔

اور خود ان کی اور ان کے ماننے والوں کی اذیت کا سامان فراہم نہ کر سکیں۔ ناصبوں ان کے ساتھ حسن معاشرت کے سلسلے میں تقیہ جائز ہے اور یہ تقیہ پسندیدہ ہے۔

اس روایت کو بھی کلینی نے مدرک بن ہزہاز کے حوالے سے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا اس بندے پر رحم کرے جو عوام الناس کے ساتھ محبت کا برتاؤ رکھتا ہے۔ وہی کرتا ہے جس کو وہ پسند کرتے ہیں اور جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں اس کو ترک کرتا ہے۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے من پسند بات کرنا اور ناپسندیدہ باتوں کو ترک کرنا تقیہ کے محبوب ترین مظاہر میں سے ہے۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں ہے کہ امام حسن نے فرمایا تقیہ کے ذریعہ خدا امت کی اصلاح فرماتا ہے۔ تقیہ کرنے والے کا ثواب تمام امت کے اعمال کے ثواب کے برابر ہے مگر جو تقیہ ترک کرے گویا اس نے امت کو ہلاک کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تارک تقیہ امت کو ہلاک کرنے والے کا شریک ہوتا ہے۔[1]

اس روایت میں تقیہ کو امت کے حقوق کے ساتھ ذکر کرنے کا مطلب شاید یہ ہو کہ یہ دونوں امت کی وحدت اور اس کے مذہب کی حفاظت میں شریک ہیں۔ اگرچہ تقیہ میں تاکید خاص شیعوں کے لئے ہے اور حقوق امت کی تاکید عام سنیوں کے لئے ہے۔

اس کے علاوہ تفسیر حضرت ذوالقرنین میں خداوند متعال کے اس قول "اجعل بیننا

۱۔ الکافی عن مدرک بن الہزہاز عن ابی عبد اللہ قال: رحم اللہ عبداً اجتر مودۃ الناس الی نفسہ فحدثہم بما یعرفون وترک ما ینکرون۔ ج ۲ ص باب ۳۶۔ ابواب امر المعروف۔

"وہم صدا" "ور" "ما استطاعوا ان یظہروہ وما استطاعوا له نقبا" کی تفسیر میں بہت ساری روایات میں وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد تقیہ ہے۔ اس لئے کہ تقیہ اور دشمنوں کے درمیان ایسی مضبوط دیوار ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے دشمنوں کا کوئی وار کارگر نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ آیت سے یہی مراد لینے کے لئے اس کے ظاہر سے عدول کر کے اس کی تاویل میں جانا پڑے گا تاکہ اس کے مناسب معنی پیدا کئے جائیں لیکن بہر حال روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ تقیہ دشمن سے بچنے کے لئے بہترین سد باب ہے۔ یہ صرف دشمن کی جانب سے پہنچنے والے نقصانات ہی کے دروازے بند نہیں کرتا بلکہ ہر قسم کی تہمت، ملامت، دھوکے سبب کے بھی اچھا چارہ گر اور ایسی دیوار ہے کہ دشمن نہ تو اس کو پھاند سکتا ہے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکتا ہے۔

علاوہ بریں اس میں آئمہ معصومین علیہم السلام پر کچھ لوگوں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات، جھوٹی افواہوں اور بغض و عناد کا بھی سد باب ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دشمن اپنے فاسد منصوبوں کو بروئے کار نہیں لا سکتا، اور نہ ہی ان مقدس ہستیوں کی ہتک حرمت کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ "مجالس" میں مذکور امام علی ابن محمد سے ایک روایت اس بات کی شاہد ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام صادق نے فرمایا، جو شخص تقیہ نہ کرے کمینہ لوگوں سے ہم کو محفوظ نہیں رکھ سکتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[1]

۱۔ قال الصادق ع لیس منا من لم یلزم التقیۃ ویصوننا عن سفلۃ الرعیۃ۔ ج ۱۲، باب ۲۴۔ ابواب امر بالمعروف۔

۲۔ تقیہ کی غرض و غایت اور اس کی قسمیں

مذکورہ بیان سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ تقیہ کی غرض و غایت صرف نفوس مومنین کی حفاظت اور ان کو درپیش خطرات کا دفاع یا ان کے اموال و ناموس کی حفاظت ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی وحدت کی حفاظت اور ان کے درمیان رشتہ محبت برقرار کرنے اور ان کے دلوں کی کدورتوں کے بدل صاف کرنے کے لئے کبھی کبھی ایسے مواقع پر تقیہ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں عقیدے کے اظہار اور اس کے دفاع میں کوئی مصلحت اور اہم فائدہ موجود نہ ہو ...... اسی طرح تبلیغ رسالت کے فریضہ کو بطور احسن انجام دینے کے لئے بھی تقیہ کا استعمال مشروع ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم نے بت پرستوں کے مقابلہ میں کیا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی مصلحت ہو تو اس کی خاطر بھی تقیہ جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کے سامنے تقیہ سے کام لیا۔

بنابریں تقیہ کے وسیع مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی قسمیں درج ذیل ہو سکتی ہیں۔

۱۔ تقیہ خوفی۔
۲۔ تقیہ تحبیبی۔
۳۔ مختلف مصلحتوں کی خاطر تقیہ۔

گذشتہ بیانات میں تینوں قسموں کی تشریح مثالوں کے ساتھ ہو چکی ہے۔" مترجم"

الغرض یہ ہے کہ تقیہ کی تمام قسمیں ایک وسیع مفہوم کے تحت جمع ہو سکتی ہیں، اور وہ مفہوم یہ ہے کہ انسان کسی اہم مصلحت کے تحت عقیدہ کو پوشیدہ رکھے اور اس کے خلاف اظہار کرے یعنی اہم کو بچانے اور مہم کو ترک کر دے جس کی تائید میں عقلی اور نقلی دلیلیں موجود ہیں۔ وہ اہم مصلحت چاہے دشمنوں سے اپنے نفوس، ناموس اور اموال کی حفاظت ہو چاہے مسلمانوں کے درمیان ایجاد محبت اور بغض و دشمنی کو دور کرنا ہو۔ یا ان کے علاوہ بے شمار دوسرے مصالح ہوں جن کا ذکر لازمی نہیں ہے۔

وجوب تقیہ کے موارد

گذشتہ بیانات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بہت سے موارد ایسے ہیں جہاں تقیہ واجب ہے۔ جب کہ کچھ موارد میں مستحب ہے۔ اس کا کلی قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ مصلحت جو تقیہ کا باعث بنتی ہے ایسی ہو جس کی حفاظت واجب اور جس کو نظر انداز کرنا حرام ہو تو تقیہ واجب ہو جاتا ہے اور اگر فعل و ترک کے اعتبار سے وہ مصلحت مساوی ہو تو تقیہ مستحب ہے۔۔۔ بہر حال تقیہ مصلحت کے رجحان یا عدم رجحان کے تابع ہے۔ ۔۔۔۔۔۔ پھر موارد وجوب کو مشخص کرنے اور بعض مصلحتوں کا دوسرے مصالح کے مقابل میں مرجح ہونے اور ان کی اہمیت کو درک کرنے کے لئے دقت نظر کے ساتھ ساتھ شرعی ضابطوں کی جانب رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر جان کی حفاظت کے لئے اگر انسان کو پاؤں پر مسح ترک کر کے موزوں پر مسح کرنے پر اکتفا کرنا پڑے تو اس سلسلہ میں وہ روایات اس کی مددگار ہوں گی جن میں مناسب تقیہ موجود نہیں ہے۔ اور اس کا مالک اتنی مختلف ہے۔ اور ترک تقیہ مثل ترک نماز ہے یا اس قسم کی دیگر تعبیریں جن سے وجوب تقیہ سمجھ میں آتا ہے اور وہاں بھی ضروری مصلحتوں کے

بارے میں ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ۔۔۔۔۔۔ اسی طرح وہ روایات جو قول پروردگار "ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ" کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں کہ اس سے مراد تقیہ ہے۔۔۔۔۔ اور جب انسان تقیہ پر عمل کرے تو وہ دشمن کا دل بدل کر کے اپنے سے ایسے دوست بنا سکتا ہے۔ "فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم" یہ وہ روایتیں ہیں جو تقیہ کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ۔۔۔ خلاصہ اخبار تقیہ بے شمار ہیں اور ان کے لئے بیان میں حد درجہ اختلاف ہے چنانچہ وہ مختلف موارد کے لئے ہیں اور ہر مورد پر ایک ہی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

ایک ضروری آگاہی!

مذکورہ مطالب کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ تقیہ صرف شیعوں ہی کے نزدیک واجب نہیں اور صرف شیعوں کی روایات اور ان کے ائمہ علیہم السلام کے اقوال ہی اس کے جواز یا وجوب پر دلالت نہیں کرتے بلکہ قرآنی آیات، اجماع قاطع، احادیث متواترہ کے علاوہ عقل سلیم بھی اس کے جائز ہونے کی گواہ ہیں۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی مسلم ہے کہ تقیہ کسی قوم و ملت یا دین و مذہب سے مخصوص نہیں بلکہ ہر قوم و ملت و مذہب کے ماننے والے اس سے استفادہ کرتے ہیں اور ضرورت کے وقت اسے اپنی سپر بناتے ہیں۔ ۔۔۔ کیا کسی صاحب عقل کو آپ نے دیکھا ہے کہ وہ ایسے موارد میں اظہار عقیدہ کرتا ہو جن میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو یا بالکل فائدہ نہ ہو؟ نقصان سے بچنے کے لئے اور اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے ہر صاحب عقل تقیہ سے استفادہ کرتے ہوئے ایسے موقع پر اظہار عقیدہ سے باز رہتا ہے۔۔۔۔ بلکہ

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ سرے سے تقیہ کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس میں کسی استثنا کے روادار نہیں ہیں وہ بھی صرف زبانی حد تک ایسا کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی عملی زندگی کا مشاہدہ کریں تو تقیہ سے پر نظر آئے گی۔ ان کے زبانی دعوے صرف نعرہ ہی رونق برقرار رکھنے کیلئے ہیں۔ ورنہ عمل میدان میں ایسے موارد میں تقیہ پر عمل کرنے کے سلسلہ میں کہ جن میں اظہار عقیدہ بے فائدہ اور باعث ضرر ہو محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ حکم عقل ہے اور کوئی بھی صاحب عقل اس سے سرپیچی نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے اس عمل کو تقیہ نہ کہتا ہو۔

تقیہ کے موارد وجوب کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ہم پیشگی عرض کر دیں کہ عنقریب ہم ایسے موارد بھی بیان کریں گے جن میں نہ صرف تقیہ حرام ہے بلکہ ان میں جان و مال کی قربانی واجب ہے اور ان مواقع پر تقیہ کی مخالفت نہ فقط پسندیدہ ہے بلکہ موجب فضیلت ہے۔

اگر زمانے سے باخبر کوئی مجتہد یا فقیہ حالات کے پیش نظر احکام الٰہی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کسی خاص زمانہ میں تقیہ کی حرمت کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کر دے کہ اب مدارات کی گنجائش نہیں بلکہ دشمن کے مقابلے میں جان و مال کے ذریعے جہاد واجب ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ تقیہ ہمیشہ حرام ہے۔

مواردِ حرمتِ تقیہ

بحث کے آغاز میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ بلند پایہ محققین اور عظیم فقہاء نے تقیہ کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اور طبعاً اجمال ہم نے ان مواقع کی طرف اشارہ کیا ہے جنہیں تقیہ واجب، مستحب اور جائز ہوتا ہے۔ اب ذیل میں ان مواقع کا ذکر ہے جن میں تقیہ حرام ہے۔

۱۔ اگر دین میں فساد کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز نہیں ہے

اگر تقیہ کی وجہ سے دین میں فساد اور ارکان اسلام میں تزلزل پیدا ہو، شعائر الٰہی محو ہو رہے ہوں اور کفر کو طاقت مل رہی ہو یا کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو کہ شارع کی نظر میں جس کی حفاظت جان و مال سے زیادہ ضروری ہو تو ایسے ہر موقع پر بلاشبہ تقیہ حرام ہے

اور اس کا ترک کردینا واجب ہے۔ لیکن ان موارد کی تشخیص عام آدمی کے بس کا روگ نہیں بلکہ فقہا و مجتہدین کا کام ہے۔ اس لئے کہ ان موارد کو درک کرنے کے لئے ادلۂ شرعیہ پر تسلط، عمدہ ذوق شریعت اور صائب فکر کی بہت زیادہ ضرورت ہے...... قاعدہ اہم و مہم کے علاوہ چند روایات بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں جن کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ کافی میں کلینی نے مسعدۃ ابن صدقہ کے حوالے سے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے کہ اگر مومن اظہار ایمان کے بعد کوئی ایسا عمل انجام دے جس سے ایمان کی نفی ہوتی ہو تو وہ مومنوں کی صف سے خارج ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ ادعا کرے کہ اس نے جو عمل انجام دیا ہے وہ تقیہ کی بنا پر تھا تو دیکھنا یہ ہوگا کہ آیا اس مورد میں تقیہ جائز تھا یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تھا تو اس کا عذر ناقابل قبول ہے۔ اس لئے کہ تقیہ کے حدود معین ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا معاف نہیں ہے۔ "ما یتقی" کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ایسی قوم میں پھنسا ہوا ہو جو ظالم بھی ہوں اور اس پر غلبہ بھی رکھتے ہوں۔ اس صورت میں مومن کا ہر وہ عمل جو تقیہ کی بنا پر ہو اور دین میں فساد کا باعث نہ ہو جائز شمار ہوگا۔

۱۔ ج ۲، ۹۰۔ باب ۲۵۔ الامر بالمعروف۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تقیہ کی وجہ سے دین میں فساد کا اندیشہ ہو تو تقیہ جائز نہیں ہے۔

۲۔ اس روایت کو کشی نے اپنی "رجال" میں درست ابن ابی منصور سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں میں امام کاظم کی خدمت میں حاضر تھا اور "کمیت ابن زید" بھی وہاں موجود تھا...... امام نے "کمیت" پر اعتراض کرتے ہوئے بعنوان سرزنش فرمایا: کیا یہ شعر تم نے کہا ہے۔؟ "اب میں بنی امیہ کے ساتھ ہوں اور ان کے امور کی بازگشت میری جانب ہے"۔[۱] کمیت نے عرض کی ہاں "میں نے ہی کہا ہے۔ لیکن میں اپنے ایمان سے منحرف نہیں ہوا ہوں۔ میں آپ کا خادم ہوں اور آپ کے دشمنوں سے نفرت کرتا ہوں۔ البتہ میں نے یہ شعر تقیہ کرتے ہوئے کہا ہے...... تب امام نے فرمایا اگر ایسے ہی تقیہ ہونے لگے تو پھر شراب پینی بھی تقیہ جائز ہو جائے گی...... اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ہر مورد میں تقیہ جائز نہیں جانتے تھے۔ اسی لئے آپ نے کمیت پر اس کے اس شعر کی بنا پر اعتراض کیا جس سے بنی امیہ کی مدح ہوتی تھی۔ اور جو اس بات کی علامت بن گیا کہ کمیت ایک مشہور و معروف محب اہل بیت کہلانے کے بعد بنی امیہ کے طرفدار ہو گئے...... چنانچہ کمیت "جیسا آدمی جب عذر پیش کرتا ہے کہ اس کا یہ شعر صرف زبانی اور ظاہر پر مبنی تھا تو امام اس کے عذر کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تقیہ کا میدان اس قدر وسیع ہوتا تو ہر چیز میں حتی شراب پینے میں بھی تقیہ جائز ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے......

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا کمیت پر اعتراض اور سرزنش اس امر کی دلیل ہے کہ بنی امیہ جیسے ظالموں کی تعریف یا ان سے اظہار محبت جیسے امور میں تقیہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کے افراد کبھی کبھی کفر کی بنیادوں کو مضبوط، اور گمراہی اور جہالت کی تائید و طرفداری کا موجب بنتے ہیں۔ جس سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔ لہذا ایسے مواقع پر تقیہ ناجائز ہے...... جب اس یک بیت کی حد تک تقیہ جائز نہ ہوا تو ظاہر ہے پھر اس قسم کی ایسی باتیں کرنے میں جن سے کفر و ضلال کو قوت پہنچتی ہو اور ہدایت مخفی ہو جاتی ہو حق باطل کے ساتھ مشتبہ ہو کر بہت سے لوگوں سے مخفی ہو جاتا ہو تقیہ کب جائز ہوگا۔ خاص

۱۔ فالآن صرت الی امیۃ والامور لها الی مصائر

طور سے ان لوگوں کے لئے جن کے اقوال بطور سند پیش کئے جاتے ہوں اور جن کا فعل نمونۂ عمل ہو ایسے موارد میں تقیہ حرام ہے۔ البتہ ان موارد کی تشخیص جیسا کہ عرض ہو چکا ہے عرف فقیہ کے بس کی بات ہے ہر آدمی کا کام نہیں۔

طبرسی نے احتجاج میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی زبانی امام رضا کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں اگرچہ واضح طور پر ترک تقیہ کا باعث فساد دین کو قرار نہیں دیا گیا ہے لیکن دراصل باعث وہی ہے۔ اس لئے کہ اس سے زیادہ اہم کوئی امر نہیں تھا جس کی وجہ سے ترک تقیہ ضروری ہوتا...... البتہ محال ہے کہ وہ لوگ بغیر کسی خطرے کے تقیہ کرتے ہوں اور جہاں خطرہ ہو وہاں نہ کرتے ہوں تو امام نے ان کو اس سے روکا ہو۔[1]

ابو حمزہ ثمالی ناقل ہیں کہ حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم اگر تمہیں ہم امداد کے لئے آواز دیں تو تم صاف انکار کر دو گے اور بہانہ بناؤ گے کہ ہم تقیہ میں ہیں... آیا تقیہ تمہیں ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز ہے...... اسی حالت میں اگر قائم کا ظہور ہو گیا تو تم سے معلوم کئے بغیر تم میں سے بہت سوں پر حد نفاق جاری کریں گے۔[2]

یہ روایت واضح طور پر کہہ رہی ہے کہ اگر دین خطرے میں ہو اور امام نصرت کے لئے پکاریں تو ترک تقیہ لازم ہے۔ اس لئے کہ جو شخص اس موقع پر تقیہ کرے گا قائم آل محمد اس پر حد جاری کریں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے مواقع پر تقیہ سخت حرام ہے۔

بہر حال تقیہ دین کے لئے ہے۔ چنانچہ اگر دین خطرے میں ہو اور اس کے درکار ہو

۱۔ ج ۱۔ باب ۲۵۔ الامر بالمعروف۔

۲۔ ج ۲۔ باب ۳۱۔ ......

احکام جن کی بقاء و ترویج کے لئے پیغمبر ہجرت کرنے والوں اور ان کا اتباع کرنے والوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے ہیں اور اپنا خون دے کر اس کو بچایا ہے۔ مٹ جانے کا اندیشہ ہو تو کسی قیمت پر بھی تقیہ جائز نہیں ہے۔

۲۔ قتل میں تقیہ جائز نہیں ہے۔

اگر تقیہ کی بنا پر کسی کو قتل کرنا ہے مثال کے طور پر کوئی کافر یا فاسق کسی مومن کو قتل کر دینے کا حکم دے اور شخص مذکور جانتا ہو کہ اگر میں مومن کو قتل نہیں کروں گا تو خود قتل ہو جاؤں گا ایسے موقع پر تقیہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ مومن کا خون محترم ہے۔ لہذا اپنی جان کی حفاظت کی خاطر دوسرے مومن کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ مومنوں کے نفوس مساوی ہیں۔ تقیہ خونریزی اور جان گنوانے سے بچنے کے لئے ہے لیکن اگر نوبت خونریزی کی حد تک پہنچ جائے تو تقیہ کوئی معنی نہیں رکھتا اور ایسی صورت میں تقیہ کا حکم حکمت حکیم کے منافی ہے...... چنانچہ اس بارے میں کئی احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ ان روایات میں سے ایک روایت کو محمد ابن یعقوب کلینی نے کافی میں محمد ابن مسلم کے حوالے سے امام محمد باقر سے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تقیہ جان کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہے۔ لیکن جب اس سے کسی کی جان جاتی ہو تو ہرگز جائز نہیں ہے۔[1]

۱۔ محمد بن یعقوب الکلینی عن محمد بن مسلم عن ابی جعفر الباقر (ع) قال: انما جعل التقیة
بقیہ صفحہ ۶۲ پر

٢- دوسری روایت کو شیخ "تہذیب" میں ابو حمزہ ثمالی کے حوالے سے امام جعفر صادق سے نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ زمین خدا پر ہمیشہ اور ہر دور میں ایسا عالم موجود رہتا ہے جو حق و باطل میں تمیز کر سکے...... تقیہ حفظ نفوس کے لئے ہے، اگر خون جو اس کے ذریعہ خطرے میں پڑ جائیں تو تقیہ بے معنی ہو جائے گا۔[1]

٣- شراب خوری یا اس طرح کے محرمات میں تقیہ حرام ہے

روایات میں وارد ہے کہ بعض اہم امور جیسے شراب خوری یا نبیذ خوری، موزوں پر مسح، متعہ حج وغیرہ میں تقیہ حرام ہے۔ چنانچہ ہم پہلے روایت کو ذکر کریں تب اس کا سبب بیان کریں گے۔

١- امام جعفر صادق سے ابن اعجمی نے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا۔ نبیذ اور موزوں پر مسح کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ جائز ہے۔[2]

اصول کافی کتاب الحجۃ، باب ان الارض لا تخلو من حجۃ، ج ١، باب ٣٠، الباب مرہ معروف

١- عن ابی حمزۃ الثمالی قال قال ابو عبد اللہ: لم تخل الارض الا وفیہا عالم یعرف الحق من الباطل و قال انما جعلت التقیۃ لیحقن بہا الدم فاذا بلغ الدم فلا تقیۃ. ج ٢ باب ٣١ الباب معروف۔

٢- عن ابی عبد اللہ فی حدیث قال: والتقیۃ فی کل شیء الا فی النبیذ والمسح علی الخفین۔ ج ٣، باب ٢٥، الباب معروف۔

٣- کافی میں زرارہ سے منقول ہے کہ میں نے امام کی خدمت میں عرض کیا کیا موزوں پر مسح کرنے میں تقیہ ہے؟ آپ نے فرمایا "تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سے کسی میں بھی میں تقیہ نہیں کرتا۔ نشہ آور چیز کا استعمال، موزوں پر مسح اور متعہ حج" زرارہ کہتے ہیں، امام نے نہیں فرمایا تم پر واجب ہے کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی تقیہ نہ کرو۔

ان امور میں تقیہ حرام ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان میں تقیہ بے جا ہے۔ اس لئے کہ تقیہ خوف و خطرے کے مواقع میں نفوس کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہے اور اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ جان کا خطرہ ایسے امور کے اظہار کے نتیجے میں ہو سکتا ہے جن کو وضاحت کے ساتھ قرآن میں نہیں بیان کیا گیا ہے۔ اگر قرآن یا سنت میں امر کا موجود ہو تو چاہے وہ حکم کسی بھی قوم کی سیرت کے منافی ہو تب بھی اس میں تقیہ نہیں ہے...... مثلاً شراب خوری اور نبیذ جیسے امور کی حرمت صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود ہے.......

ایسے ہی متعہ حج کے لئے بھی قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔ فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدي...... ذلك لمن لم يكن اهله حاضري المسجد الحرام[1] یہ آیت وجوب یا کم سے کم جواز تقیہ کے لئے بہترین دلیل ہے۔ اور سنت نبوی میں بھی اس کا حکم موجود ہے جس کو فریقین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے بلکہ جناب عمر نے خاص طور سے اعلان کیا ہے۔ "دو متعہ پیغمبر کے زمانہ میں حلال تھے اور میں ان کو حرام قرار دیتا ہوں"[2] یہ اعلان متعہ حج کے جائز قرار دیئے جانے کی بہترین دلیل ہے۔ چنانچہ ترک تقیہ کے لئے اتنا کافی ہے کہ انسان کے پاس قرآن یا سنت سے

البقرہ آیت ١٩٦۔

بہتر دلیل موجود ہو۔

اسی طرح موزوں پر مسح ترک کرکے صرف پاؤں پر مسح کرنے پر اکتفا کرنے کے بارے میں بھی قرآن میں صراحت موجود ہے۔ "وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین"[1] روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاؤں یا سر پر مسح اسی وقت کیا جائے گا جب موزے یا عمامہ پر مسح ترک کرکے خود پاؤں یا سر پر مسح کیا جائے۔ اور ہر شخص اسلامی دنیا میں ایسا کر سکتا ہے اور اگر کوئی شخص اس مورد میں بھی خوف کی بنا پر تقیہ کرنے پر مجبور ہو تو یہ تقیہ حکمی کہلائے گا۔

لیکن اگر جہالت اور تعصب معاشرہ کی پر غالب ہو اور ان امور کے اظہار میں جان کا خطرہ ہو تو انسان تقیہ کرتے ہوئے ان امور کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ تمام اسلامی احکام و امور سے ان امور کی اہمیت زیادہ نہیں ہے۔ جب اظہار کلمۂ کفر میں تقیہ ہو سکتا ہے تو پھر شرب خمر یا موزوں پر مسح جیسے فرعی امور میں بدرجہ اولیٰ بے اشکال ہے۔.........

.... اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ روایات بھی اس کی مخالف نہیں بلکہ روایات کی نظر اس نکتہ پر ہے کہ اس قسم کے امور میں جن کو قرآن نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہو اور سنت قطعی بھی اس کی تائید کرتی ہو تقیہ کی حاجت پیش نہیں آتی۔ لیکن اگر کسی بعض حالات میں جان و مال خطرے میں ہوں چاہے تعصب کی بنا پر یا جہالت کے سبب سے تو اس وقت ان امور میں بھی تقیہ جائز ہے۔ مثال کے طور پر اگر حاکم ظالم کے نزدیک موزوں پر مسح لازمی ہو یا وہ متعہ حج کو حرام جانتا ہو اور اس کا اعتقاد رکھنے والے کو قتل کر دیتا ہو تو کیا ایسی

۱۔ المائدہ، آیت ۶۔

حالت میں بھی تقیہ ترک کر دیا جائے اور موت کو گلے لگایا جائے؟ ہرگز ایسا نہیں کیا جا سکتا اور میرے خیال میں کسی کا یہ نظریہ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح قتل کے علاوہ وہ نقصانات جو شارع کی نظر میں ان امور سے زیادہ اہم ہیں تقیہ کو چھوڑ کر ان کا متحمل ہونا ہرگز واجب نہیں ہے۔

اس بیان سے روشن ہو جاتا ہے کہ زرارہ نے جو استدلال کرکے مذکورہ موارد میں عدم تقیہ کو امام سے مخصوص کرنے کی کوشش کی ہے وہ بے فائدہ ہے۔ اس لئے کہ قرآن و حدیث سے ان امور کا حکم واضح ہو جانے کے بعد حکم عام ہو جاتا ہے اور انسان ان میں تقیہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگرچہ "زرارہ" کا شمار فقہائے اہل بیت میں ہوتا ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں "شہسواری میدان جنگ میں" اور "معرفت اہل عصمت علیہم السلام کا کام ہے۔" لہٰذا ہم عرض کر سکتے ہیں کہ "زرارہ" کا استنباط بے محل ہے۔

ہمارے اس قول کی دلیل وہ روایت ہے جس کو صدوقؒ نے "الخصال" میں حضرت علی علیہ السلام سے بیان کیا ہے۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ "شراب خوری اور موزوں پر مسح کرنے میں تقیہ نہیں ہے۔"[1] ظاہر حدیث یہ ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی تقیہ جائز نہیں ہے۔

اور اسی مضمون کی ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ابی عمر الاعجمی کے ذریعہ نقل ہو چکی ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا "ہر چیز میں تقیہ ہے مگر (نبیذ) اور موزوں پر مسح کرنے میں تقیہ نہیں ہے۔" یعنی تقیہ کی بنا پر نہ نبیذ استعمال کر سکتے ہیں اور نہ موزوں پر مسح کر سکتے ہیں۔ البتہ ان امور میں تقیہ کے جواز پر ہماری بات کی اس روایت سے تائید ہوتی ہے جس کو

۱۔ عن علی علیہ السلام فی حدیث الاربعمأة قال: لیس فی شرب المسکر والمسح علی الخفین تقیة۔ ج ۱۸ ۔ باب ۳۸ ۔ ابواب الاشربہ

شیخ نے اپنی تہذیب میں ابی الورد کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ابوظبیان نے مجھ سے کہا کہ میں (ابوظبیان) نے علیؑ کو دیکھا کہ انھوں نے پانی بہا دیا اور موزوں پر مسح کیا تو امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ ابوظبیان نے جھوٹ بولا۔ کیا تم نے علیؑ کا یہ قول نہیں سنا کہ قرآن میں تمہارے سے خفین کے بارے میں حکم بیان ہو چکا ہے۔ میں نے عرض کی کیا ان میں رخصت ہے۔؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر یہ کہ دشمن کے خوف کی بنا پر یا پاؤں کو برف سے بچانے کے لئے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔[1]

اس حدیث میں بھی اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ قرآن کی سورہ مائدہ میں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم صراحت کے ساتھ بیان ہو جانے کے بعد موزوں پر مسح کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

۴۔ ضرورت کے بغیر تقیہ جائز نہیں ہے۔

معصومین علیہم السلام کی اکثر روایات میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ بغیر ضرورت تقیہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کی ضرورت خوف ہے، اور ضرورت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خوف ختم ہو چکا ہے۔ اور تقیہ خوف کی بنا پر ہو سکتا ہے لہٰذا جب خوف نہ ہو تو تقیہ کا موضوع ہی باقی نہیں رہتا جیسا کہ اول بحث میں ہم عرض کر چکے ہیں۔ چنانچہ

۱۔ ج ۱۔ باب ۳۸۔ ابواب الوضوء۔

اس سلسلہ کی روایات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ کلینی نے "زرارہ" سے اور انھوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے: "آپ نے فرمایا تقیہ ضرورت کے وقت ہوتا ہے جس کا علم صاحب ضرورت کو ہو جاتا ہے۔"[1]

۲۔ اصول کافی میں ہی امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کسی چیز میں انسان کی مجبوری کے وقت تقیہ کو خدا نے اس کے لئے حلال قرار دیا ہے۔[2]

۳۔ محاسن میں امام جعفرؑ سے مروی ہے کہ: ہر ضرورت میں تقیہ ہے۔[3]

تذکر:

یہ تینوں روایتیں مختلف اور متعدد طریقوں سے نقل ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت اور اضطرار کے وقت تقیہ کے جواز کے سلسلہ میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ دلائل عقلیہ اور فطرت بشری کے تقاضوں کی موجودگی میں جواز تقیہ پر استدلال کے لئے ہمیں ان کی زیادہ ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی بعض مشکلات ایسی پیش آئی ہیں جن میں تقیہ کے جواز پر دلالت کے لئے ان روایات کی اشد ضرورت ہے۔

۱۔ ج ۱، باب ۲۵ امر بالمعروف

۲۔ ج ۲ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۳۔ ج ۸ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

اختیار کفر

اور

ایمان سے برائت میں تقیہ کا حکم

اگر جان کا خطرہ لاحق ہو تو دل میں ایمان کو محفوظ رکھتے ہوئے زبانی طور پر ایمان سے اظہار بیزاری اور کلمہ کفر بکنے پر شیعہ اور سنی دونوں متفق ہیں۔ . . . . لیکن اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا ایسے موقع پر تقیہ سے دست بردار ہو کر جس سے بڑا نقصان برداشت کر لینا بہتر ہے یا تقیہ کر کے خطرے کو ٹال دینا زیادہ بہتر ہے۔ پہلی نظر میں روایات اور فتوے دونوں اس مسئلہ میں مختلف ہیں۔ لیکن آگے چل کے جب ہم اس بحث میں غور وخوض سے کام لیں گے اس وقت یہ بات روشن ہو جائے گی کہ ان میں اختلاف نہیں بلکہ زمان، مکان اور ظروف تقیہ کے اعتبار سے فرق ہے۔

ہماری بحث کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ہم اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے

اس کی دلیلیں ذکر کریں گے اور اس کے بعد عرض کریں گے کہ ان میں سے کون بہتر ہے اور کون نہیں۔ اور یہ بھی دیکھیں گے کہ علماء اہلبیت کا نظریہ کیا ہے کہ جنھوں نے جان و دل سے دین کی حمایت اور نصرت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اور ہمیشہ اس اطاعت سے متمسک رہے ہیں اور کبھی بھی کلمۂ کفر کو زبان تک نہیں لائے۔

بہرحال کثیر تعداد میں احادیث اظہار کلمۂ کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جن میں سے چند حدیثیں بطور نمونہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ تقیہ کے جواز پر دلالت کرنے والی آیات کے ذیل میں ایک روایت منقول ہے جو پروردگار کے اس قول "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان" کی تفسیر کرتی ہے یہ آیت حضرت عمار کے بارے میں ہے جس کو فریقین نے نقل کیا ہے۔ تفصیل یوں ہے کہ حضرت عمار کو جب مجبور کیا گیا تو وہ کلمۂ کفر کا اظہار کر بیٹھے لیکن ان کے والدین نے شہادت کو گلے لگایا۔ جناب سرکار رسالت کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے۔ اسی دوران کچھ اصحاب نے کہا عمار کافر ہو گئے لیکن رحمت دو عالم نے ان کے چہرہ سے آنسو پونچھا اور فرمایا اگر کفار پھر مجبور کریں تو پھر وہی کرنا جو کر چکے ہو۔ اس سلسلہ کی آیت نازل ہو چکی ہے۔ "کہ جس کو مجبور کیا جائے اظہار کفر پر حالانکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو" یہ روایت بالصراحت تقیہ اور اظہار کلمۂ کفر کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔

۲۔ اس روایت کو بھی فریقین نے نقل کیا ہے اور آیت کے ذیل میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ مسیلمہ کذاب نے پیغمبر کے دو صحابیوں کو پکڑ کر اپنی نبوت کی شہادت دینے پر مجبور کیا ایک نے شہادت دے دی مگر دوسرے نے انکار کر دیا اور شہید ہو گیا۔ تو حضور نے فرمایا کہ پہلے نے خدا کی دی ہوئی چھوٹ سے استفادہ کیا لیکن دوسرے نے حق کا اظہار بیانگ دہل کیا

اور شہادت اس کو مبارک ہو۔" اگرچہ اس روایت میں بھی کہ تم سے اظہار بیزاری کا ذکر نہیں ہے لیکن مسیلمہ کی رسالت کی گواہی کلمۂ کفر ہے۔ جب یہ جائز ہے تو وہ بھی جائز ہے۔

۳۔ ان دونوں روایتوں کے ہم معنی ایک روایت کو اصول کافی میں کلینی نے عبد اللہ ابن عطاء کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ کوفہ کے دو اشخاص پکڑے گئے اور ان سے کہا گیا کہ امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اظہار کریں۔ ان میں سے ایک نے قبول کر لیا اور دوسرے نے انکار کر دیا چنانچہ پہلے کو چھوڑ دیا گیا اور جس نے انکار کیا اسے قتل کر دیا گیا .... تو امیر المومنینؑ نے فرمایا "جس نے بیزاری کا اظہار کیا وہ فقیہ ہے لیکن جس نے انکار کر دیا اس نے جنت حاصل کرنے میں جلدی کی۔"[1]

اس روایت کی دلالت کے بارے میں ہم عرض کریں گے کہ اس کا رجحان فعل تقیہ کی جانب ہے نہ کہ ترک تقیہ کی طرف۔

۴۔ کلینی مسعدۃ ابن صدقہ سے ناقل ہیں۔ ابن صدقہ نے بیان کیا کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کی لوگ کہتے ہیں امیر المومنین علیؑ نے منبر کوفہ سے اپنے خطبے میں اعلان فرمایا "اے لوگو! عنقریب تم کو مجھ پر سب و شتم کرنے پر مجبور کیا جائے گا تو اس وقت تم مجھ پر سب و شتم کر سکتے ہو۔ پھر تمہیں مجھ سے اظہار برائت کے لئے کہا جائے گا مگر مجھ سے اظہار برائت نہ کرنا۔" .... پس پر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "لوگ علیؑ کے بارے میں کس قدر جھوٹ بولتے ہیں۔" حالانکہ آنحضرتؑ نے یوں فرمایا تھا۔ "اگر تمہیں مجھ پر سب و شتم کرنے کے لئے کہا جائے گا تو کر دینا۔ پھر اظہار برائت کے لئے کہا جائے گا تو یاد رکھو میں بھی

۱۔ ج۲ باب ۹۱۔ التقیہ والمعروف۔

محمد پر ہوں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے اظہار برائت نہ کرنا۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو سائل نے عرض کی "کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ میں اظہار برائت کے بجائے قتل ہو جانا اختیار کر لوں۔؟" آپ نے فرمایا "حضرت کی مراد یہ نہیں۔" اس سے مراد وہی طریقہ ہے جو عمار ابن یاسر نے اس وقت اختیار کیا جب کفار مکہ نے ان کو مجبور کیا۔ جب کہ ان کا دل ایمان سے مطمئن تھا جس پر پروردگار نے یہ آیت نازل فرمائی "مگر وہ شخص جس کو مجبور کیا جائے حالانکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔" تو پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا "اے عمار! اگر وہ لوگ دوبارہ مجبور کریں تو تم پھر وہی کرو خدا نے تمہارے عذر سے مجھے آگاہ کر دیا ہے۔"[1]

اگرچہ اس روایت سے بھی تقیہ کا وجوب ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ روایت میں صرف حرمت تقیہ کی نفی مقصود ہے۔ خاص طور سے علیؑ اور ان کی اولاد و آئمہ علیہم السلام سے اظہار برائت کے سلسلہ میں کہ بعض جن کی ہتک حرمت بلکہ ان کو گالی دینا بھی لوگ جائز سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ حضرت کا یہ فرمانا کہ "وانہ ما ذلک اِلیہ" یعنی "امیر المومنینؑ کی مراد یہ نہیں" اور اس کے بعد قصہ حضرت عمار بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ روایت وجوب تقیہ کو ثابت نہیں کرتی بلکہ حرمت تقیہ کی نفی کرتی ہے۔ اس لئے حضرت عمار کے والدین کا فعل بھی جائز تھا۔ جیسا کہ ان کی داستان سے ظاہر ہے۔

۵۔ محمد ابن مسعود عیاشی اپنی تفسیر میں ابو بکر حضرمی کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ۔ حضرت کی خدمت میں عرض کیا گیا "آپ کو دونوں میں سے کون

۱۔ ج ۲۔ باب ۲۹۔ التقیہ والمعروف۔

سی چیز پسند ہے کہ میں کنارہ کشی یا علی علیہ السلام سے اظہار برائت کرنا۔"[۱] آپ نے فرمایا: "رخصت
پسند ہے۔ کیا تم نے عمار کے بارے میں پروردگار عالم کا قول نہیں سنا: "الا من اکرہ وقلبہ
مطمئن بالایمان"

عنقریب ہم عرض کریں گے کہ رجحان رخصت پر ہے، روایت کی دلالت دوسری روایت
سے ٹکراتی ہے۔ اور اس ٹکراؤ کے مجموعہ کا طریقہ بھی بتائیں گے۔[۲]

۶۔ عبداللہ ابن عجلان کے حوالے سے عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل
کرتا ہے کہ عبداللہ نے امام کی خدمت میں عرض کی: "کوفہ میں ضحاک ظاہر ہو چکا ہے اور ایسا محسوس ہوتا
ہے کہ ہمیں اظہار برائت کے لئے کہا جائے گا۔ فرمائیے ہم کیا کریں؟" آپ نے فرمایا: "تم اس
سے برائت کرو۔" میں نے عرض کی: "دونوں میں سے آپ کو کیا پسند ہے؟" آپ نے فرمایا:
"مجھے یہ پسند ہے کہ تم عمار ابن یاسر کا طریقہ اختیار کرو۔ جب مکہ میں پکڑے گئے اور ان
سے کہا گیا کہ رسول اللہ سے بیزاری کا اظہار کرو۔ تو انھوں نے کر دیا۔ تو خداوند عالم نے آیت
کے ذریعے ان کے عذر کو بیان کیا۔ "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن
بالایمان۔"[۳]

پہلی نظر میں اس روایت سے بھی وجوب ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن جو روایتیں برائت
کے اظہار سے ممنوعیت پر دلالت کرتی ہیں ان کی وجہ سے وجوب خطرے میں پڑ جاتا ہے۔
جبکہ یہاں بھی قصہ عمار اور ان کے والدین کی شہادت کو شاہد بنانا اس امر پر دلالت کرتا

۱۔ ح ۳۔ باب ۲۹۔ الطلب امر بالمعروف۔

۲۔ ح ۱۳۔ . . . .

ہے کہ یہ روایت صرف تقیہ کی اجازت دیتی ہے اس کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔

۷۔ طبرسی نے "احتجاج" میں امیر المومنین کی کسی "یونانی" سے بحث نقل کی ہے۔
آپ نے فرمایا: "میں تم کو دین خدا میں تقیہ کے استعمال کا حکم دیتا ہوں۔ جیسا کہ پروردگار عالم فرماتا ہے
"مومنین مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں اور جو بھی ایسا کرے گا اس کا اللہ سے
کوئی ربط نہیں، مگر یہ کہ تم ان سے کسی خوف کی بنا پر تقیہ کرو۔"[۱] اگر ضرورت حق ہو تو تمہیں اپنے دشمنوں
کی بڑائی اور فضیلت کے بیان، ذم کے موقع پر اظہار برائت اور جان پر مصیبتوں اور آفتوں کے خطرے
کے وقت ترک صلاۃ کی اجازت دیتا ہوں۔ اس لئے کہ تمہارا ہمارے دشمنوں کی بڑائی بیان کرنا نہ ان
کے لئے منفعت بخش ہے اور نہ ہمارے لئے مضر ہے۔ تم اگر تقیہ کے طور پر ہم سے اظہار برائت کرو
گے تو نہ ہماری قدر گھٹے گی اور نہ درجہ کم ہوگا۔ اگر تمہارا دل ہمارے ساتھ ہے اور اس میں ہماری
محبت ہے تو زبان سے تھوڑی دیر ہم سے اظہار برائت کرنا تمہاری اس روح کی بقا ہے جس
سے تمہارا نفس تمام ہے، اس مال کی حفاظت ہے جو تمہارا سہارا ہے اور اس عزت و مرتبہ
کی امان ہے جس کے ساتھ تم متمسک ہو۔ اس کے ذریعہ تم اس شخص سے بچے رہو گے جو
ہمارے دوستوں اور محبوں کو پہچانتا ہے۔ لہذا بے شک تقیہ تمہارے لئے اپنے کو ہلاک کرنے
سے افضل ہے۔ اور سلسلہ عمل منقطع کرنے سے بہتر ہے۔ اور اسی میں تمہارے مومن بھائیوں
کی بہتری ہے۔ .... خبردار! یاد رکھو میں نے جس چیز کا تمہیں حکم دیا ہے اسے
ہرگز ترک نہ کرنا۔ اس لئے کہ اگر تم اسے ترک کرو گے تو اپنا اور اپنے بھائیوں کا خون ضائع کرو گے۔
اپنی اور ان کی جانوں کو برباد کرو گے۔ اور دشمنان دین خدا کے ہاتھوں ان کو ذلیل کرو گے۔ جب کہ خدا
نے تم کو ان کا احترام و اکرام کرنے کا حکم دیا ہے۔ .... یاد رکھو اگر تم نے
میری وصیت کی مخالفت کی تو خود تمہارے لئے اور تمہارے مومن بھائیوں کے لئے تمہارا

قبلہ افراد یا جملہ سب و شتم کے مرتکب ہوئے" تابعی" اور جادو اور انکار کے مرتکب ہوئے ان کا وزن سے زیادہ ہوگا۔[1]

شاید جس وقت حضرت نے یہ حدیث ارشاد فرمائی اس وقت تک شام کے علاقہ جات اور مشرکین کے قبضہ میں ہی تھے۔ اس لئے کہ اختیاری حالت میں نماز چھوڑ کر تقیہ مسلمانوں کے درمیان نہیں بلکہ کفار کے درمیان ہی ہو سکتا ہے.................. بہر حال مجبور انسان کو خود کو ہلاکت میں مبتلا کرنے سے تقیہ کرنا افضل ہے۔ اگر چہ ہماری نظر میں اس سے تقیہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن حدیث کے آخر میں آپ کا خبردار کرنا اور یہ فرمانا کہ تقیہ ترک کر کے تم اپنے بھائیوں کو جو نقصان پہنچاؤ گے وہ کفار اور ناصبیوں کی ضرر رسانی سے بدتر ہوگا اس مقام پر وجوب تقیہ کی روشن دلیل ہے۔ یہاں پر اسم تفضیل کا صیغہ تعیین کے لئے ہے جیسا کہ آیت " وأولو الأرحام بعضهم أولى ببعض في كتاب الله." اور روایت امام علیہ السلام " احب من اف بحرب حق۔ " میں وارد ہوا ہے...

....

لہٰذا اسے کلمہ کفر اور اظہار برائت جیسے موارد میں تقیہ کے وجوب پر اس روایت کی دلالت مسلم ہے۔ لیکن اس روایت کا مرسل ہونا اسے غیر معتبر بنا دیتا ہے۔ اس لئے کہ طبرسیؒ نے سند ذکر کئے بغیر اسے امیرالمومنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ رہ گئی تفسیر امام عسکریؑ میں اس کا مروی ہونا تو وہ اسے حجت نہیں بناتا۔

البتہ یہ اور بات ہے کہ دلالت کے ساتھ اگر اس کی سند بھی کامل ہوتی جب بھی اس پر

۱۔ ج ۱۱۔ باب ۲۹۔ الامر بالمعروف۔

عمل مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ متواتر روایتیں اس مورد میں بھی تقیہ کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم آئندہ ذکر ہونے والی تفصیل پر عمل کریں یا بعض اوقات کے لئے مخصوص قرار دیں۔

روایات تفصیل:

وہ روایات پیش خدمت ہیں کہ جن میں تفصیل وارد ہوئی ہے کہ سب و شتم میں تقیہ جائز ہے لیکن اظہار برائت میں جائز نہیں ہے۔

۱۔ امام جعفر صادقؑ کی مسعدہ روایت کہ جس کو" اصول" نے اپنے اسناد کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ "شیخ نے اپنی "مجالس" کی زینت بنایا ہے۔ فرماتے ہیں: امیرالمومنینؑ نے فرمایا: "عنقریب تم کو مجھے برا بھلا کہنے کے لئے کہا جائے گا (العیاذ باللہ) تو تم مجھے برا کہہ دینا اور تمہیں مجھ سے اظہار برائت کرنے پر مجبور کیا جائے گا تو تم اپنی گردن پیش کر دینا اس لئے کہ میں فطرت اسلام پر ہوں۔"[1]

(ان روایتوں میں مذکورہ تفصیل سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ "سب" میں تقیہ جائز ہے جبکہ برائت میں جائز نہیں۔)

۲۔ شیخ نے دعبل خزاعی کے برادر علی کے حوالے سے امام رضاؑ کی ایک حدیث جس کو حضرت نے اپنے آباء کے ذریعہ امیرالمومنینؑ سے بیان کیا ہے نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "عنقریب تم سے مجھے برا بھلا کہنے کا مطالبہ کیا جائے گا اگر جان کا خطرہ محسوس کرو تو کہہ دینا۔ لیکن اگر مجھ سے برائت

۱۔ ج ۱۱۔ باب ۲۹۔ الامر بالمعروف۔

کرنے کے لئے کہا جائے تو ہرگز بیزاری نہ کرنا۔ اس لئے کہ میں فطرت اسلام پر پیدا ہوا۔¹

یہ حدیث بھی گزشتہ حدیث کی مانند تفصیل پر دلالت کرنے کے علاوہ برائت کی حرمت میں ظہور رکھتی ہے۔

۳۔ سید رضی رضوان اللہ تعالیٰ نے نہج البلاغہ میں امیر المومنین سے روایت نقل کی ہے حضرت نے فرمایا: لوگو! باخبر رہو! میرے بعد ایک ایسا شخص تم پر مسلط ہوگا جو بڑی فراخ اور کشادہ حلق والا ہوگا .... جو کچھ پائے گا سب چٹ کر جائے گا اور مزید کا مطالبہ کرے گا بس تم اسے قتل کر دینا۔ حالانکہ تم ہرگز اسے قتل نہیں کرو گے۔ بلکہ وہ تم سے مجھے برا کہنے اور مجھ سے برائت کرنے کا مطالبہ کرے گا تم مجھے برا کہہ دینا اس لئے کہ وہ میرے لئے زکوٰت ہے اور تمہارے لئے نجات لیکن مجھ سے برائت نہ کرنا اس لئے کہ میں مسلمان پیدا ہوا ہوں اور ایمان لانے اور ہجرت کرنے میں سب سے پہلے سبقت کی ہے۔²

اگرچہ یہ روایت اپنے مضمون کے اعتبار سے مسعدۃ ابن صدقہ کی روایت سے ٹکراتی ہے لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ روایت دشمنی اور اذیت رسانی والے موقع و مورد سے تعلق رکھتی ہے جس میں کلمۂ حق کا اظہار اور اس کے لئے اپنی جان کا فدیہ پیش کرنا آثار نبوت کی حفاظت کے لئے کم سے کم واجب کفائی تھا اس لئے کہ تمام دشمن علی کے آثار دینی بلکہ آثار نبی مٹانے پر حسب مقدور کمربستہ ہو گئے تھے۔ اسی لئے دو مشکلوں کو کمتر درجے والے سب جیسے مشکلات میں تقیہ کی اجازت دی گئی اور برائت جیسے شدید مشکلات میں تقیہ سے روک

۱۔ ج ۹، باب ۴۹، الامر بالمعروف۔

۲۔ ج ۱ . . . .

دیا گیا۔

خدانخواستہ اگر ہمیں بھی امیر المومنین کے دور جیسے وقت سے گزرنا پڑے جس میں آپ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے آپ کے آثار مٹا دینا چاہے تھے تو اس وقت دشمنوں کی گردنیں اڑا دینا اور کلمۂ حق کے اثبات اور باطل کے محو کر دینے کے لئے اپنی جانیں قربان کر دینا واجب ہو جائے گا۔

دوسری بحث:

اس بحث میں پہلے کرنا ہے کہ تقیہ کے اختیار اور ترک میں سے ترجیح کس کو دی جائے۔ گزشتہ روایت "محسن" جو ان دو اشخاص کے بارے میں تھی جن کو مسیلمہ کذاب نے گرفتار کر کے اظہار برائت پر مجبور کیا تھا سے پتہ چلتا ہے کہ ترک تقیہ بہتر ہے اس لئے کہ تارک تقیہ نے حق کا اعلان کیا جس کو اس کے لئے مبارک قرار دیا گیا۔ جبکہ دوسرے نے صرف رخصت الٰہی سے استفادہ کیا اور بس .... اس طرح وہ تمام روایات بھی جو نفرت ظاہر کرنے سے منع کرتی ہیں اور دین میں جان کی قربانی و دعوت کو گلے لگانے کی ترغیب دیتی ہیں وہ ترک تقیہ کو بہتر قرار دیتی ہیں لیکن اس وقت جب بات سب و شتم سے آگے بڑھ جائے اور برائت کی نوبت آ جائے۔ ظاہر ہے کہ کفر بھی برائت ہی کے حکم میں ہے۔

ان روایات کے علاوہ ترک تقیہ کے بہتر ہونے پر جاں نثاران اہلبیت اور مجاہدین اصحاب علی کا عمل جو شام کی ایک چراگاہ "مرج عذرا"¹ میں معاویہ کے حکم سے شہید کر دیئے

۱۔ شام کے قریب ایک وسیع و عریض چراگاہ ہے۔

گے جانے سے بہترین مستحسن ہے۔

حجر بن عدی اور مرج عذرا میں شہید ہونے والے وہ چھ افراد جو اہلبیت کے بعد، جیسے میثم تمار، رشید الہجری، عبداللہ بن عفیف الازدی، عبداللہ بن یقطر اور سعید بن جبیر کے علاوہ وہ اصحاب کے علاوہ جو مظلوم کربلا کے ساتھ شہید ہوگئے ان سب نے برأت پر شہادت کو ترجیح دے کر جان دے دی۔ ایسے موقع پر ترک تقیہ کی بہترین مثال قائم کی ہے......

......یہ وہ زندہ جاوید ہستیاں ہیں جن میں اکثر کی داستان شہادت کو موافق و مخالف دونوں نے اپنے نوشتوں کی زینت بنایا ہے......

چنانچہ ’’ذہبی‘‘ حجر کے بارے میں رقمطراز ہے کہ زیاد ابن ابیہ کو منبر پر جھٹلایا کرتے تھے یک بار آپ نے اسے کنکری کا نشانہ بھی بنایا۔ پس زیاد نے یہ قصہ معاویہ کو لکھا اور حجر کو گرفتار کر کے معاویہ کے پاس روانہ کر دیا۔ وہاں کچھ دین فروش گواہ بھی جمع ہوگئے جنہوں نے جناب حجر کے خلاف گواہی دی۔ جناب حجر کے ساتھ چھ افراد تھے۔ معاویہ نے سب کو قتل کر دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے انہیں ’’مرج عذرا‘‘ کی طرف بھیج دیا...... جب یہ حضرات عذرا پہنچے تو کہا جاتا ہے کہ معاویہ کا آدمی آیا اور اس نے پیشکش کی کہ توبہ کریں اور علی سے اظہار برائت کریں۔ دس آدمیوں نے اس پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا جب کہ دس نے قبول کر لیا۔ چنانچہ وہ دس شہید کر دیئے گئے جنہوں نے معاویہ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔[۱]

’’اعلام الوری‘‘ میں حکایت کی گئی ہے کہ ایک روز معاویہ عائشہ کے ہاں پہنچے تو عائشہ نے پوچھا کہ تم نے اہل عذرا یعنی حجر اور ان کے ساتھیوں کو کس بنا پر قتل کیا؟ معاویہ نے

۱۔ رجال مامقانی۔

عرض کی۔ اے ام المومنین! میں نے ان کے قتل کر دینے میں امت کی بہتری اور ان کو زندہ رکھنے میں امت کا فساد دیکھا اس لئے میں نے انہیں قتل کر دیا۔‘‘......پس پر عائشہ نے کہا میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ ’’عذرا میں کچھ لوگ میرے بعد قتل کئے جائیں گے جن کیلئے خدا اور اہل آسمان غضبناک ہوں گے۔‘‘

۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ان کا قتل واقع ہوا ہے۔ ’’تاریخ ابن اثیر‘‘ اور کتاب ابوالفرج الکبیر میں یہ قصہ نقل ہے، مگر صرف حالات اور کیفیت قتل پر مشتمل ہے۔

بہر حال! یہ افراد یا ان جیسے بہت سے افراد علوم اہلبیت علیہم السلام کے وارث دار اور اپنی قوم میں اہلبیت علیہم السلام کے نمائندے اور ہر حال میں ان کے دوست دار تھے ایسے عمل کیا یہ لوگ احکام شریعت سے آگاہ اور ناخوشگوار حوادث و واقعات میں اپنی شرعی ذمہ داریوں سے بے خبر نہیں تھے۔ پس اگر ترک تقیہ ان کی نظر میں ناپسندیدہ ہوتا یا ترک اور فعل تقیہ دونوں مساوی ہوتے تو پھر وہ ترک کو فعل پر ترجیح کیوں دیتے۔؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان جیسے حالات میں ترک تقیہ ہی بہتر ہے...... اس کے علاوہ میثم تمار اور جناب عمرو بن الحمق الخزاعی وغیرہ کے حالات میں منقول بہت سی احادیث میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ان کو اپنی راہ میں قتل کر دیئے جانے کی خبر دی تھی۔ ان کی تعریف بھی کی تھی۔ وہ ان میں سے بعض پر ترس رونے بھی تھے۔ ان سارے واقعات میں دوسروں کے لئے ترغیب و تشویق موجود ہے کہ تقیہ ترک کریں۔ اگر ترک تقیہ جائز نہ ہوتا تو امیر المومنین کا یہ فعل درست نہ ہوتا......

...... بلکہ ساری روایتوں سے ملتا ہے کہ تمام ائمہ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے ایسے موارد میں ترک تقیہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔

معاویہ کے ایک خط کے جواب میں امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کو اس کی بداعمالیوں اور بے دینیوں کی واضح الفاظ میں خبر دیتے ہوئے عمرو بن الحمق، حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کے بارے میں لکھا ہے: "اے معاویہ! کیا تم کندہ کے بھائی حجر بن عدی اور بہت سے دوسرے ایسے نمازگزاروں اور عابدوں کے قاتل نہیں ہو جو ظلم کو ناپسند کرتے تھے، بدعتوں کو گناہ کبیرہ سمجھتے تھے اور خدا کی راہ میں اہل ملامت کی ملامت سے خوف نہیں کھاتے تھے۔ تم نے انہیں بناحق سفاکی اور بڑی بے دردی سے قتل کیا جبکہ تم نے ان کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان باندھا تھا۔

کیا تو نے صحابی رسول حضرت عمرو بن الحمق کو امان دینے کے بعد قتل نہیں کیا؟ کثرت عبادت سے جن کا بدن لاغر ہو گیا تھا ...... اور ان کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ جب کہ تو نے ان کو امان دی تھی اور ان کے ساتھ ایسا مضبوط عہد و پیمان باندھا تھا کہ اگر وہ عہد کسی پرندے کے ساتھ بھی کیا جاتا اور تو اس کے بعد اس کو قتل کر دیتا تو تو اس عہد اور پروردگار کے خلاف جرأت و جسارت کا مجرم قرار پاتا۔"

بلکہ حجر اور ان کے اصحاب کے بارے میں عائشہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا نے بذات خود بھی ان پر افسوس کیا، ان کے لئے غضب کا اظہار کیا اور ان کی عظمت بیان فرمائی۔

یہ سارے مدارک اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کا عمل مستحسن تھا، رسول اس سے خوش تھے اور اہلبیت علیہم السلام اس سے راضی تھے۔ اگر ترک تقیہ مکروہ ہوتا تو رسول اور اہلبیت کبھی بھی خوش نہیں ہو سکتے تھے۔

لیکن اس کے باوجود آپ کو معلوم ہے کہ بہت ساری روایات ان موارد میں ایسی ہیں جو تقیہ کو اچھا سمجھتی ہیں، اور رخصت الٰہی سے استفادہ کرنے کو کہتی ہیں۔ لہذا ہمیں یہ

کوشش کرنا ہے کہ ان روایات کے مضامین میں ہم آہنگی کیسے پیدا کی جائے۔

احادیث کے مضامین میں ہم آہنگی کا طریقہ

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بہترین راہ وہ تفصیل ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا تھا۔ کہ حدیثیں مختلف زمانوں اور شخصیتوں کے بارے میں ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ایک امت کی رہبری کے عہدے پر فائز ہو۔ لوگ اس کی اقتدا کرتے ہوں اور وہ اہلبیت علیہم السلام سے تقرب کے عنوان سے معروف ہو اس کے لئے ایسے موارد میں نقصان اٹھانا، مصیبتوں کو برداشت کرنا، یہاں تک کہ جام شہادت پی جانا نہ صرف یہ کہ بہتر ہے بلکہ کبھی واجب بھی ہو جاتا ہے، خصوصاً اس وقت جب کہ ان حوادث سے گریز کے نتیجہ میں حق کے نابود ہو جانے، ارکان اسلام کے متزلزل ہو جانے اور آخرکار دین کے متغیر ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ "یعنی ایسے موقع پر ایسے شخص کے لئے ترک تقیہ واجب ہے۔" ....

.... اسی طرح زمانوں کے اعتبار سے اگر بنی امیہ جیسا دور ہو۔ خصوصاً وہ تاریک دور جو شہادت امیر المومنین علیہ السلام کے بعد تھا جس میں اسلام کی سرنوشت معاویہ کے ہاتھوں میں تھی یا اس جیسے دوسرے ادوار جن میں مشرکوں اور دور جاہلیت کے باقی ماندہ گروہوں اور قرآن میں مذکورہ شجرۂ خبیثہ کے مصادیق نے نور خدا کو پھونکوں سے بجھا دینے اور نبی اکرم کے حقیقی اوصیاء کی فضیلتوں پر پردہ ڈالنے کی ناپاک کوششیں اس لئے شروع کر دی

تھیں تاکہ لوگ خائب و خاسر ہو کر پچھلے پاؤں پلٹ جائیں۔ اس قسم کے ادوار میں واجب ہے کہ کچھ مردانِ حق کا علم بلند کریں، تقیہ چھوڑ دیں، خدا کی روشن آیات کا اظہار کریں اور دشمنانِ دین کی سیاہ پیشانیوں کو داغدار بناتے ہوئے ظلم و طغیان کا رخ موڑ دیں۔

اگر یہ لوگ اپنی جان و مال کی پرواہ کئے بغیر راہِ خدا میں جہاد نہ کرتے تو اسلام قرآن اور صاحبِ قرآن کا صرف اسم و ذکر بطورِ رسم باقی رہ جاتا۔ انصار و مہاجرین اور راہِ ہدایت میں ان کا اتباع کرنے والے اپنی جانوں کی قربانیاں دے کر گذشتہ اور آئندہ نسل کے درمیان ایک واسطۂ خیر بن گئے۔ اگر حجر ابن عدی، میثم، عمرو ابن حمق، عبداللہ ابن عفیف، عبداللہ ابن یقطر اور سعید ابن جبیر جیسے عاشقانِ دینِ الٰہی کا جہاد نہ ہوتا تو آثارِ نبوت و آثارِ ائمہ علیہم السلام محو کر دیئے جاتے۔ اس لئے کہ اسلامی حکومت کی فضا پر باطل کا غلبہ تھا جس نے اپنے نت نئے مظالم کے ذریعہ لوگوں کو دبا رکھا تھا۔ دعوتِ اسلامی کے تمام مراکز ان کی نگرانی میں تھے اور لوگ تو بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔

ہمارے اس نظریہ کی تائید شیخ انصاری کی عبارت سے ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ "تقیہ وہاں مکروہ ہے جہاں نقصان کا تحمل تقیہ سے بہتر ہو جیسا بعض (فقہاء و علماء) نے اظہارِ کلمۂ کفر کے بارے میں فرمایا ہے۔ لوگ جس کی اقتدا کرتے ہوں اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ کلمۂ اسلام کی سربلندی کی خاطر تقیہ ترک کر دے۔"

یہ حکم حضرت میثم یا ابن عباس سے مختص نہیں بلکہ ہر وہ زمانہ جس میں ایسے حالات درپیش ہوں اس میں بغیر کسی فرق کے یہی حکم ہے ....

لیکن اگر زمانہ صادقین اور امام رضا علیہ السلام کے زمانے سے مشابہ ہو جس میں مسئلہ اتنا سنگین نہیں تھا تو اس میں تقیہ کرنا بہتر ہے جیسا کہ اس باب کی احادیث سے ظاہر

ہوتا ہے لیکن استثنا بھی ملحوظ ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ترکِ تقیہ اور فعلِ تقیہ کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ امیر المومنین ؑ کے فوراً بعد والے زمانہ میں ترکِ تقیہ بہتر ہے جب کہ صادقین اور امام رضا ؑ کے زمانہ میں فعلِ تقیہ مستحسن ہے۔ اس لئے کہ دوسرے دور میں اسلام کو اتنا خطرہ نہیں تھا جتنا پہلے دور میں تھا لیکن دوسرے دور میں بھی یہ حکم ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ جو لوگ امت کی رہبری کے عہدہ دار ہوں ان کیلئے ترکِ تقیہ بہتر ہے .... رہ گیا مسئلہ ہمارے دور کا تو اس میں بھی حکم مختلف ہے۔ جیسے حالات ہوں ویسا ہی حکم ہوگا۔ حالات و حوادث کی گردشوں کے تحت کبھی ہمیں اصحابِ امیر المومنین ؑ کی سنت اپنانا پڑے گی تو کبھی اصحابِ صادقین ؑ کی پیروی کرنا پڑے گی۔

تقیہ

پڑھی گئی نماز کا حکم

بے شک خوف کی بنا پر مخالف عقیدہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ لیکن آیا حسن معاشرت کے تقاضوں کے تحت اتحاد و دوستی برقرار کرنے کے لئے بغیر خوف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (یہ مسئلہ قابل بحث ہے۔)

ہمارے زمانہ میں اور خاص طور سے حج کے موسم میں ان لوگوں کی جماعت میں عدم شرکت جان و مال یا عزت و ناموس کے لئے باعث خطر نہیں ہے۔ تاہم اخوت اسلامی اور حسن معاشرت کا ثبوت دینے کے لئے ان کے ساتھ نماز پڑھنا ہی زیادہ بہتر ہے اور اکثر روایات بھی اس کی شاہد ہیں۔ بلکہ شاید اس مضمون کی روایات متواتر ہوں......

......لیکن......

سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا جماعت کی نیت سے نماز پڑھے یا فرادیٰ کی نیت سے نماز میں ظاہری طور پر شریک ہو جائے لیکن جہاں تک ممکن ہو اپنی نماز پڑھتا رہے اور افعال

میں ان کا ساتھ دیتا رہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ جماعت کی نیت سے پڑھے تو آیا وہ نماز کافی ہوگی یا اس کو اس کے پہلے یا بعد میں اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھنا ہوگی؟

اگر ہم یہ کہیں کہ اس کو جماعت میں شریک ہو کر اپنی نماز پڑھنا چاہئے تو اس صورت میں جماعت کی ظاہری شکل کو برقرار رکھنے کے لئے اجزاء و شرائط نماز میں جو کمی واقع ہوگی اس کمی کے باوجود آیا اس کی وہی نماز کافی ہوگی یا نہیں؟

ان سوالوں کے جواب دینے سے پہلے اس مسئلہ کے حل میں بیان ہونے والی روایات کی جانچ پڑتال ضروری ہے تاکہ ان کی روشنی میں صحیح نتیجہ اخذ کیا جا سکے......

......روایات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ صدوق نے من لا یحضرہ الفقیہ میں زید الشحام کے حوالے سے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے زید کو مخاطب قرار دیتے ہوئے فرمایا: "اے زید! لوگوں کے ساتھ ان ہی جیسا اخلاقی برتاؤ کرو۔ ان کی مسجدوں میں نماز پڑھو۔ ان کے مریضوں کی عیادت کرو۔ جنازوں میں شرکت کرو۔ اگر ممکن ہو تو ان کی امامت اور اذان کے فرائض انجام دو۔ اس لئے کہ جب تم ایسا کرو گے تو وہ کہیں گے یہ ہیں جعفری، خدا جعفر صادقؑ پر رحم کرے۔ وہ اپنے دوستوں کی کتنی اچھی تربیت کیا کرتے تھے۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو وہ کہیں گے جعفری ایسے ہی ہوتے ہیں۔ برا ہو فعلہ اللہ جعفر صادقؑ کا جنھوں نے اپنے اصحاب کی صحیح تربیت نہیں کی۔[1]

۱۔ وسائل، ج ۵، باب ۷۵، ابواب جماعت۔

امام جعفر صادقؑ نے جوان کی مسجدوں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے بلاشبہ اس سے مراد جماعت سے نماز پڑھنا ہے اور اطلاق مقالی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نماز کافی ہے .... لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ روایت اس جہت سے مقام بیان میں نہ ہو۔

۱۔ شیخؒ نے تہذیب میں اسحاق ابن عمار سے نقل کیا ہے۔ اسحاق کہتے ہیں: مجھ سے حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اے اسحاق کیا تم ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتے ہو۔! میں نے عرض کی "ہاں" حضرتؑ نے فرمایا: "ان کے ساتھ نماز پڑھا کرو" اس سے پہلی صف میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے والا ویسا ہی ہے جیسے کوئی شخص راہ خدا میں جہاد کرنے کیلئے شمشیر برہنہ کر کے نکلے۔ ۱

تقریباً ایک جیسے مضمون کی حامل متعدد احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ جماعت کی نیت کر کے نماز پڑھنا رجحان رکھتا ہے۔ اور وہ نماز کفایت کرے گی۔ اور اسکو دوبارہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ مگر یہ کہ کسی دلیل سے دوبارہ پڑھنا ثابت ہو جائے۔

حاصل کلام یہ کہ اگر ہم ان روایات کی روشنی میں فیصلہ کریں تو ان کے ساتھ جماعت کی نیت کر کے نماز پڑھنے کا حکم دینے میں ہم حق بجانب ہوں گے اور یہ کہ وہ نماز کافی ہوگی چاہے ہمارے مذہب کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اس کو رسول اللہ کی اقتدا سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی شوکت و عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور دشمن

۱۔ ج ۱۲۔ باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعت۔

اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے کو اللہ کی راہ میں تلوار کھینچنے والے سے تشبیہ دی گئی ہے .... لیکن ان باتوں کے باوجود یہ روایات شیعہ علماء کے مسلک کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم صاحب حدائق کا نظریہ نقل کریں گے "اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایتیں واجب العمل نہیں ہیں۔"

۲۔ محاسن میں عبداللہ ابن سنان سے مروی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا۔ اے لوگو! میں تمہیں تقویٰ الٰہی اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ تم لوگوں کو اپنے کندھوں پر سوار نہ کرو۔ ویسا نہ ہو کہ تم ذلیل ہو جاؤ۔ بے شک خدائے سبحان اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے۔ "لوگوں سے اچھی باتیں کرو۔" اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا: "ان کے مریضوں کی عیادت کرو ان کے جنازوں میں شرکت کرو۔ ان کے حق میں یا ان کے خلاف جب بھی موقع ہو گواہی دو اور ان کے ساتھ مسجدوں میں نماز پڑھو۔"

۳۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ نے اپنے نوادر میں سماعہ سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کرنے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے دریافت کیا تو امامؑ نے فرمایا: "یہ بہت مشکل کام ہے جو تم سے ممکن نہیں ہوگا۔ البتہ رسول اللہ نے ان کے ساتھ رشتہ کیا اور علیؑ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔" ۲

یہ تینوں حدیثیں بھی تعلقات کو برقرار رکھنے کی خاطر ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ ...... البتہ ممکن ہے کہ روایت علی ابن جعفر ایسے موقع سے مربوط

۱۔ ج ۸۔ باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعت۔

۲۔ ج ۸۔ باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعت

ہو جب انسان کو جان و مال کا خطرہ در پیش ہو۔ جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ "ان کی اقتدا میں نماز پڑھے اور وہ نماز کافی ہوگی۔[1] اس کے علاوہ نماز کو نکاح کے ساتھ ذکر کرنا اس امر کا گواہ ہے کہ اس سے مراد نماز واجب کا بجالانا اور اسی کو کافی سمجھنا ہے

اسی طرح امام کا یہ فرمانا کہ یہ مشکل کام ہے جو تم سے ممکن نہیں ہوگا اسی چیز کی طرف اشارہ ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اس سے کہ اگر اس سے مراد فرادی نماز ہوتی اور پہلے یا بعد میں اس نماز کا پڑھنا ضروری ہوتا تو یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بلکہ ہر کوئی یہ کام کر سکتا ہے کہ ظاہری طور پر ان کے ساتھ شریک ہو جائے۔ لیکن اپنی نماز الگ جا کر پڑھ لے۔

۲۔ صدوق نے بطور مرسل (راوی کا ذکر کئے بغیر) نقل کیا ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا۔ اگر تم ان کے ساتھ نماز پڑھو تو تمہارے مخالفوں کی تعداد کے برابر تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔[2]

یہ روایت بھی دوسری روایات کی مانند اصل جواز پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن اس میں اس نماز کے کافی ہونے یا نہ ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔ . . . . (یہ روایتیں بطور نمونہ ہم نے ذکر کی ہیں۔ تلاش کرنے والے کو بہت سی روایتیں اور بھی مل سکتی ہیں)

ان روایات کے بالکل برعکس وسائل کے پانچویں باب میں ابواب جماعت کے تحت کچھ روایات مذکور ہیں جن سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مخالف عقیدہ کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی نہیں ہے بلکہ یا تو پہلے اپنی نماز پڑھ لے یا بعد میں اس کا اعادہ کرے۔ بنابریں جو نمازیں ان کے ساتھ پڑھے گا وہ مستحب ہوں گی اور جو پہلے یا بعد میں پڑھے گا وہ اس کی واجب نماز

۱۔ ج ۵ باب ۵۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ

ہوگی۔ البتہ اگر تقیہ مستحب ہو تو نماز بھی مستحب ہوگی۔ لیکن اگر تقیہ خوف کی بنا پر واجب ہو تو نماز بھی واجب ہوگی۔ چنانچہ اس مضمون کی بعض روایات درج ذیل ہیں۔

۱۔ صدوق نے فقیہ میں عمر ابن یزید کے حوالے سے امام جعفر صادق سے نقل کیا ہے حضرت نے فرمایا۔ تم میں سے ہر وہ شخص جو گھر میں اپنی واجب نماز پڑھنے کے بعد تقیہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ نماز میں شرکت کرے اور باوضو ہو تو خدا اس کے لئے پچیس درجے مخصوص فرمائے گا۔ لہٰذا تم اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔[1]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان کی اقتدا جائز ہوتی تو فرادی نماز پڑھنے کی ترغیب نہ دی جاتی۔ یہ ترغیب گواہ ہے کہ ان کے ساتھ پڑھی گئی نماز کافی نہیں ہے . . . . مگر شاید کوئی یہ کہے کہ اس قسم کا احتیاط مستحب ہے۔ اس کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی اقتدا کے جواز سے منافات نہیں رکھتا۔ چاہے تقیہ جیسی ہی کیوں نہ ہو . . . . لیکن یہ کہنا آسان ہے۔ اس کا ادراک بہت مشکل ہے۔

۲۔ حضرت صدوق نے عبداللہ ابن سنان کے واسطے سے امام جعفر صادق سے بیان کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص وقت میں نماز سے فارغ ہو کر دوبارہ بحالت وضو ان کے ساتھ نماز پڑھے تو خداوند عالم پچیس درجہ اس کے لئے لکھ دیتا ہے۔[2]

اسی راوی کا بیان ہے کہ امام صادق نے فرمایا۔ میرے دروازے کے سامنے

۱۔ ج ۱۲۔ باب ۶۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ

۲۔ ج ۳ . . . .

مسجد ہے جس میں ہمارے دشمن اور مخالف جمع ہوا کرتے ہیں، اور وہ شام تک اس میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ میں عصر کی نماز پڑھ کر نکلتا ہوں اور پھر ان کے ساتھ جا کر نماز پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے لئے چوبیس نمازوں کا ثواب لکھا جائے[1]

ہمارے شیخ نے ابوالحسن اول سے نشیط ابن صالح کے حوالے سے روایت کی ہے۔

نشیط کہتے ہیں میں نے امام کی خدمت میں عرض کیا، ہم میں سے ایک شخص اپنے گھر کے دروازے مقفل کر کے اپنے گھر میں بند ہو کے نماز پڑھتا ہے، اور پھر گھر سے نکل کر اس نماز کو اپنے ہمسایوں کے ساتھ جماعت سے پڑھتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ امام نے فرمایا، ایسے شخص کو پروردگار عالم جماعت کا دوگنا ثواب دے گا اور اس کے لئے پچاس درجے ہوں گے، وہ دو نماز جو وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر پڑھتا ہے اس کے لئے پیغمبر کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے کا ثواب لکھا جائے گا۔ وہ ان کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا ہے اور جب وہاں سے جاتا ہے تو اپنے گناہ ان کے لئے چھوڑ کر اور ان کی نیکیاں لے کر جاتا ہے[2]۔

اس روایت میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنے جواب میں سائل کے فعل کو مستند قرار دے کر اس کے لئے ہر نماز پر دوہرا اجر بیان فرمایا ہے۔ اب اگر مخالف اور دشمن کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی ہوتی تو گھر میں پڑھی گئی نماز کا دوگنا اجر نہ ہوتا۔ خاص طور سے ایسے موقع پر جب وہ شخص اس قدر مجبور ہو کر گھر کے دروازے بند کر کے تنہا نماز پڑھے۔ ظاہر ہے ایسے موقع پر تقیہ جائز ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اگر

۱۔ ج ۳ باب ۶ ابواب صلاۃ جماعت

۲۔ ج ۹۲ ....

کوئی شخص اپنی نماز جداگانہ ادا کرے تو وہ دوہرے اجر کا مستحق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخالف عقیدہ کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی نہیں ہے۔ مترجم)

ممکن ہے اس حدیث سے مراد یہ ہو کہ دونوں نمازوں کو کافی سمجھا جاتا ہے مگر تنہا پڑھی گئی نماز کا اجر جماعت کے دو برابر ہے۔ اور جماعت سے پڑھی گئی نماز کا اجر رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے برابر ہے۔

خلاصہ اس مطلب کی اور بھی بہت سی روایات ہیں۔ ان کے علاوہ وہ روایات بھی ہیں کہ جو مخالف عقیدہ کی اقتداء میں پڑھی گئی نماز کو ناکافی قرار دیتی ہیں۔ اگر ہم ان روایتوں اور پہلے طائفہ کی روایتوں میں جو مخالف عقیدہ کی اقتداء کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں، جمع کرنا چاہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ اگر تقیہ خوف کی بنا پر نہ ہو، اور نماز گزار ان کی جماعت سے پہلے یا اس میں شرکت کے بعد اپنی نماز فرادی پڑھنے پر قادر ہو تو فرادی پڑھے۔

مختصر یہ کہ اگر تقیہ تحبیبی (حفظ وحدت کے لئے) ہو اس صورت میں ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا کافی سمجھنا مشکل ہے۔ اگرچہ طائفہ اولی والی روایت یہی کہتی ہیں کہ وہ نماز کافی ہے۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ پر لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ طائفہ اولی والی روایت کی روشنی میں ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہونا جائز ہے، دوسری روایات یہ کہتی ہیں کہ ان کی اقتداء نہیں ہے بلکہ صرف ان کے ساتھ شریک ہو تا کہ ان کو دکھا سکے کہ ان کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ پہلے طائفہ سے منافات نہیں رکھتیں۔ .... البتہ یہ سب تدبیر یا وہاں کام میں لائی جائیں جہاں تقیہ حفظ اتحاد کے لئے ہو۔ لیکن اگر تقیہ خوف کی بنا پر ہو تو ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز کافی ہے۔ اسی لئے دیکھنا باقی ہے کہ آیا اس

کفایت کے لئے تنہائی میں کسی دوسری جگہ نماز پڑھنے کا امکان ہونا شرط ہے یا نہیں تفصیل اس مسئلہ کی تنبیہات میں آئے گی۔

تقیہ

سے متعلق ضروری مسائل

پہلا مسئلہ:

کیا تقیہ مخالف مذہب کیساتھ مخصوص ہے

جب ہم روایات کو دیکھتے ہیں تو اکثر روایتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تقیہ مخالفوں سے مخصوص ہے۔ ان روایتوں سے انسان کو یہ وہم ہوتا ہے کہ حکم تقیہ صرف مذہب کے مخالفوں کے ساتھ مختص ہے۔ بنابراین اپنوں کے سامنے یا کفار و مشرکین کے سامنے تقیہ نہیں کیا جا سکتا.................. درج ذیل عبارت میں شیخ انصاریؒ اپنے رسالہ تقیہ میں فرماتے ہیں۔

تقیہ کے لئے شرط یہ ہے کہ غیر مذہب والوں سے ہو، جیسا کہ تقیہ کی اجازت دینے والی دلیلوں سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ حکم مذکور کافروں، اور شیعہ ظالموں کے بارے میں بھی جاری نہیں ہوگا بلکہ آئندہ ذکر ہونے والی مسعدۃ ابن صدقہ کی روایت اور تقیہ کے ذیل میں وارد ہونے والی روایتوں کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ کا حکم عام ہے یعنی غیر مذہب والے اور کافر و غیر ظالموں سب کو شامل ہے۔

مسعدۃ ابن صدقہ کی روایت میں محدود تقیہ کی جانب یوں اشارہ کیا گیا ہے "وہ ایک ایسی ظالم قوم جس کا حکم و عمل حق کے برخلاف ہو اس قوم کے سامنے تقیہ پر مبنی مومن کا ہر عمل جو دین میں فساد کا باعث نہ بنے جائز ہے۔"

مجھے اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ تقیہ کے معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں کوئی شک نہیں کہ اصطلاح اور لغت کی روشنی میں حکم تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں ہے۔ اس لئے کہ تقیہ کا مطلب ایسے عقیدہ یا دینی عمل کو پوشیدہ رکھنا ہے جس کے اظہار میں نقصان ہو اور اس کا معیار وہ سلک قاعدہ اہم و مہم اور کم ضرور کو ضرور پر ترجیح دینا ہے۔ یہ ایک ایسا عقلی قاعدہ ہے جس کی ہر مذہب و مشرب والے عقلا گواہی دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کچھ خاص مجبوریوں کے تحت زبان سے انکار بھی کرتا ہے۔ تاہم دل و جان سے وہ اس قاعدہ پر ایمان بھی رکھتا ہے اور وقت پڑنے پر اس کو کام میں بھی لاتا ہے۔

یہ چیز واضح ہے کہ تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کو کافروں مشرکوں اور شیعہ ظالموں کے ساتھ بھی کام میں لایا جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ موارد زیادہ ہیں کہ جہاں کمزور و ناتواں افراد بعض شیعہ ظالموں کے سامنے تقیہ کو سپر بنا لیتے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کا تقیہ عبادات میں نہیں ہوتا بلکہ دوسرے امور میں ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ وہ روایت اور قرآن کریم کی وہ آیات جو کافروں اور مشرکوں سے تقیہ پر دلالت کرتی ہیں وہ بھی اس امر کی گواہ ہیں کہ تقیہ غیر مذہب والوں سے مخصوص نہیں۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کے اپنی قوم سے تقیہ کرنے پر دلالت کرنے والی آیات، مومن آل فرعون کے تقیہ والی آیتیں، عمار یاسر اور دوسرے مسلمانوں کے مشرکین مکہ سے تقیہ کے بارے میں آیتیں اور وہ روایت جو مسیلمہ کذاب کے چنگل میں گرفتار دو شخصوں کی مجبوری میں وارد ہوئی ہے۔ جن میں سے ایک نے تقیہ سے کام لیا اور دوسرے نے اظہار حق کو ترجیح دی اور نبی اکرمؐ نے دونوں کے عمل کو سراہا اور دونوں کو تابع مصلحت قرار دیا۔

بلکہ قرآن مجید میں لفظ تقیہ یا تقاۃ صرف ایک جگہ استعمال ہوا ہے اور وہ بھی مشرکوں کے مقابلہ میں جس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حکم عام ہے۔ لہذا اس کے لئے آیت و روایات کے اطلاق و عموم یا روایت مسعدۃ ابن صدقہ سے استدلال کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ اور بغیر کسی شک کے حکم تقیہ کا عموم ثابت ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس دور میں اہل سنت کے مقابلہ میں کفار و مشرکین سے زیادہ تقیہ کرنا پڑتا ہے۔

اس بحث سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تقیہ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ مورد تقیہ اہل سنت کے مذہب کا جز یا اس میں شامل ہو۔ مثال کے طور پر ترک حج تمتع ان کے تمام فرقوں کا مذہب نہیں ہے۔ اسی طرح نماز میں ہاتھ باندھنا بھی ان کے کچھ فرقوں کا طریقہ ہے جبکہ ان کے بعض علماء ہاتھ کھلے رکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود تقیہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے تاکہ عوامی الزامات سے بچا جا سکے۔ بلکہ کبھی کبھی تو ان کی بعض عادتوں کی وجہ سے کہ جن کو وہ مذہب میں داخل سمجھتے ہیں اور ان کی رعایت ترک واجب یا انجام یا فعل حرام کے بغیر ممکن نہیں ہوتی انسان تقیہ پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک

نہیں کہ مجبوری کے وقت تقیہ کرنا جائز ہے۔

دوسرا مسئلہ:

"تقیہ موضوعات میں"

موزوں پر مسح کرنے، نماز میں ہاتھ باندھنے، کھلے پائنچے یا پہننے والی شلوار پر سجدہ وغیرہ جیسے بے شمار احکام میں بلا شبہ تقیہ جائز ہے۔ اور اس مسئلہ میں بحث ہو چکی ہے۔

اس مسئلہ میں موضوع بحث یہ ہے کہ آیا موضوعات میں بھی تقیہ ہو سکتا ہے۔ یا نہیں۔ مثال کے طور پر عید کے چاند یا حج کے لئے ذی الحجہ کے چاند کی رویت کے بارے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان کی حکومت چاند کا اعلان کر دیتی ہے جس کی بنا پر وہ لوگ افطار کر لیتے ہیں یا حج بجالاتے ہیں۔ مگر شیعہ حضرات اس حکم میں ان کا ساتھ دیں تو ان کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے میں آیا ان کی متابعت درست ہے چاہے شیعوں کے نزدیک چاند ثابت نہ بھی ہو یا ان کو معلوم ہو کہ چاند نہیں ہوا ہے۔؟ اور آیا ادلۂ تقیہ اس مورد کو شامل ہیں یا نہیں۔؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ۔ شرعی احکام کے موضوعات دو طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ کچھ موضوعات شرعی نوعیت کے ہیں جن کو بیان کرنا شارع کی ذمہ داری ہے مثال کے طور پر نماز کے اوقات وغیرہ۔

۲۔ بعض موضوعات محض خارجی ہوتے ہیں جن کو بیان کرنا شارع کی ذمہ داری نہیں ہے۔ جیسے رویت ہلال وغیرہ۔

پہلی قسم یعنی شرعی نوعیت کے موضوعات میں تقیہ کی دلیلیں بغیر کسی شک و شبہ کے جاری ہیں۔ اس لئے کہ اس کی بازگشت بھی اختلاف حکمی کی طرف ہے۔ جس میں بحث ہو چکی ہے .... فی الحال ہماری بحث دوسری قسم میں ہے جس کی چند صورتیں ہیں

ایک صورت یہ ہے کہ ہمیں ان کی خطاء کا علم ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری نظر میں ان کے حکم کی صحت مشکوک ہو۔ شک کے اسباب کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ کبھی تو شک ان خارجی دلیلوں کی وجہ سے ہوتا ہے جن کو وہ اثبات موضوع کے لئے کام میں لاتے ہیں۔ اور کبھی ان کے نزدیک معتبر اور ہمارے نزدیک غیر معتبر ہو یا بالکل غیر علمی طریقے اس بات کا باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ گواہوں کے بارے میں تحقیق کئے بغیر ان پر اعتماد کر کے موضوع کو ثابت سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک تحقیق واجب نہیں ہے جب کہ ہمارے نزدیک ہر شخص کی گواہی قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ اس کی بازگشت بھی اختلاف حکمی کی طرف ہے۔

بحث کے لئے جو چیز باقی رہ جاتی ہے وہ خالص خارجی موضوعات ہیں جن کا شارع سے کوئی تعلق نہیں۔ ان میں چاہے ہمیں ان کے غلطی پر ہونے کا علم ہو یا ہمیں شک ہو اور وہ موضوع ہمارے نزدیک ثابت نہ ہو ...... اس میں بھی بحث کے دو محور ہیں۔ ایک محور حکم تکلیفی اور دوسرا حکم وضعی ہے۔

جب تقیہ کی شرائط جمع ہوں تو حکم تکلیفی کے اعتبار سے اہل سنت جیسا عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ بعض ائمہ نے بھی ضرورت کے وقت اس قسم کے تقیہ پر

عمل کیا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے رمضان کے آخری دن میں منصور دوانیقی کے خوف سے افطار کیا جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے اور ہم عنقریب اس کی طرف اشارہ کریں گے بنابر ضرورت کے وقت جواز تقیہ پر دلالت کرنے والی تمام دلیلیں اس مورد میں عمل کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حکم تکلیفی کے اعتبار سے مسئلہ روشن ہے۔

بحث صرف حکم وضعی کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ایسی حالت میں انجام دیا گیا عمل کیا مجزی اور صحیح ہے یا نہیں۔؟ اور کیا عمل تقیہ کی کفایت پر دلالت کرنے والی گذشتہ روایتیں اس مورد کو بھی شامل ہیں یا نہیں۔؟ مثال کے طور پر روایت ابو عمرو اعجمی میں ہے کہ نبیذ پینے اور موزوں پر مسح کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ ہے۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کی مطابقت میں عبادت صحیح ہے۔ چند موارد اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ چنانچہ روایت زرارہ میں بھی ان کے قول سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "تین چیزیں ایسی ہیں جن میں تقیہ نہیں کرتا۔ نشہ آور چیز کے استعمال، موزوں پر مسح اور حج تمتع میں۔" روایات ابواب وضو اور اقسام حج میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

البتہ امامؑ کی وہ حدیث جو منصور دوانیقی سے متعلق ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا ہے۔ اگر میں ایک دن افطار کر کے اس کی قضا بجا لاؤں تو یہ مجھے اپنی گردن مارے جانے سے زیادہ پسند ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عمل کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی قضا واجب ہے۔ لیکن آخر بحث میں ہم اس کی وجہ بیان کریں گے۔ جس سے شک دور ہو جائے گا

بہر حال انصاف کی بات تو یہ ہے کہ روایات تقیہ کی عمومیت کے پیش نظر بالکل ہے

موجودہ روایات میں موارد احکام کی خصوصیت کو نظر انداز کرتے ہوئے بہ تصحیح مناط کے اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان موضوعات میں بھی تقیہ پر عمل صحیح اور رافع تکلیف ہے۔ خاص طور سے حج اور چاند کی رؤیت کے مسئلہ پر تو ہر زمانہ میں تقیہ پر عمل ہوتا رہا ہے۔ ......

...... چنانچہ صاحب جواہر کتاب حج میں فرماتے ہیں: "یہاں ایک اہم ضروری مسئلہ رہ جاتا ہے کہ جس کا ذکر تمام مسائل سے زیادہ بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اہلسنت کے قاضی کے نزدیک دو گواہوں کے ذریعہ چاند ثابت ہو جائے جب کہ ہمارے نزدیک وہ (یوم الترویہ) ہو اور ان کے نزدیک (عرفہ) تو ایسی صورت میں کیا شیعہ حضرات ان کے ساتھ تقیتاً وقوف کر سکتے ہیں۔؟ یا ان کے لئے وقوف کافی نہیں ہوگا اس لئے کہ اس موضوع میں تقیہ ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ رمضان کے آخری دن اگر وہ عید منانے کا حکم دیں تو اس روزہ کی قضا رکھنا واجب ہے۔ جس پر بعض روایتیں صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ منجملہ ایک روایت یہ ہے کہ "ایک روزہ چھوڑ کر اس کی قضا رکھنا مجھے اپنے قتل کر دیئے جانے سے زیادہ پسند ہے۔" میں نے علماء میں سے کسی کے ہاں بھی اس طرح کا کلام نہیں دیکھا اور ایسے موارد میں بھی تقیہ پر عمل اور اس کا کافی ہونا بعید نہیں ہے۔ چونکہ اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں حرج لازم آتا ہے اسی طرح کا احتمال قضا میں بھی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ اس کی نسبت علامہ طباطبائی کی طرف دی گئی ہے۔

لیکن اس کے باوجود ترک احتیاط سزاوار نہیں ہے۔ (واللہ عالم)

یہ تھا صاحب جواہر کا نظریہ اور اس میں شک نہیں کہ نتیجہ کے اعتبار سے موصوف کا کلام متین ہے۔ لیکن اس میں چند اعتراض جواب طلب ہیں۔

اول یہ کہ رمضان کے آخری دن اہلسنت کے حکم کے مطابق عید منا کر اس روزے

کی قضا رکھنے والے مسئلہ کو وقوف اور دوسرے مناسک حج پر قیاس کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ چنانچہ ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے

۲۔ دوسرے یہ کہ عرف حرج کا خطرہ کسی عمل کے صحیح اور کامل ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ حرج کی وجہ سے ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عمل حرام نہیں ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ صاحب جواہر کا یہ فرمانا کہ "قضا میں بھی یہ صورت پیش آسکتی ہے" قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ ائمہ کے زمانہ میں چاند کے ثبوت میں اختلاف کا شائع ہونے کے سبب سے کسی کی گلو خلاصی نہیں کرتا۔

بہر حال عبادات اور غیر عبادات میں عمل تقیہ کے کافی ہونے پر وارد ہونے والی دلیلوں کی عمومیت کے پیش نظر انصاف یہ ہے کہ وہ عمل کافی ہے۔ خاص طور سے حج کے مسئلہ میں ہر زمانہ میں نسلاً بعد نسل اس پر عمل ہوتا آیا ہے اور کسی نے بھی نہ تو اعادہ واجب کیا ہے اور نہ دوبارہ وقوف کرنے کو کہا ہے۔ بلکہ فقہی کتابوں میں علماء نے اس مسئلہ کو چھیڑا تک نہیں جیسا کہ آپ صاحب جواہر کے کلام میں دیکھ چکے ہیں

بعض بزرگ علماء اور ان کے ہم عصر تابع یا ہمارے زمانہ کے کچھ علماء نے رویت ہلال میں اختلاف والے برسوں میں جو احتیاط پر عمل کرنے کی بات کہی ہے بالکل نئی بات ہے۔ جو اس سے پہلے نہیں سنی گئی۔ اور یہ "ایجاد بندہ اگرچہ گندہ" کے مترادف ہے۔

مسئلۂ اکراہ اور تقیہ

علماء نے مسئلہ اکراہ کے ذیل میں کہا ہے کہ اگر کسی شخص کو روزہ افطار کرنے پر مجبور

کیا جائے تو اکثر علماء کے نزدیک اس کا روزہ درست ہے جبکہ شیخ طوسیؒ سے منقول ہے کہ وہ روزہ باطل ہے۔ اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اگر تقیہ کی بنا پر افطار کیا جائے تو اس کی قضا واجب ہے۔ اس لئے کہ تقیہ اکراہ کے مصادیق میں سے ہے۔

افطار صوم میں اکراہ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ بزرگوار اس تصریح کے باوجود کہ "اس روزے کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے خاص طور سے ایسے موقع پر کہ جب روزہ دار کے حلق میں زبردستی کوئی چیز ٹھونس دی جائے" فرماتے ہیں کہ اس دلیل کی روشنی میں جو تقیہ کی بنا پر افطار کئے گئے روزے کی قضا واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اکراہ کی وجہ سے افطار کئے گئے روزے کی قضا بھی واجب قرار دی جائے اس لئے کہ تقیہ بھی تقریباً اکراہ ہی کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ حدیث رفاعہ میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا: ایک روز میں حیرت کے عالم میں ابو العباس کے پاس پہنچا تو اس نے کہا اے ابو عبد اللہ! آج کے روزے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا کہ یہ بات امام کے طے کرنے کی ہے۔ چنانچہ اگر تم روزہ رکھو گے تو میں بھی روزہ رکھوں گا اور اگر تم افطار کرو گے تو میں بھی افطار کروں گا۔ اس نے غلام کو آواز دی اور کہا دسترخوان لگاؤ۔ امامؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے ساتھ کھانا کھالیا۔ جب کہ بخدا میں جانتا تھا کہ وہ رمضان کا دن تھا۔ اس لئے ایک دن افطار کرکے اس کی قضا بجا لانا میرے لئے اس چیز سے بہتر ہے کہ میں قتل کر دیا جاؤں اور پھر کبھی اللہ کی عبادت نہ کر سکوں۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں ہے کہ رمضان کے مہینہ میں ایک دن افطار کر لینا مجھے اپنی گردن اڑا دیئے جانے سے زیادہ پسند ہے......

الجواہر جلد ۱۶ ص ۲۵۸

اپنے کلام کے آخر میں شیخ بزرگوار نے مسئلۂ تقیہ اور اکراہ میں فرق بعض رسائل کی وجہ سے جو خبر قضا کے ضعیف ہونے اور دلیل اکراہ کے ساتھ مخصوص ہونے کے امکان کو رد نہیں کیا ہے .... اس کے بعد دوبارہ جو تحریر کیا ہے اور فرمایا ہے۔

احتیاط اس میں ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے میں رکھا جائے۔ اس لئے کہ ادلۂ تقیہ کی عمومیت کے ایسے موارد کو شامل ہونے میں شک ہے جن کی بازگشت درحقیقت موضوع حکم یعنی مصداق یا مفہوم کی طرف ہو نہ کہ حکم کی طرف۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں وارد ہونے والی روایات میں سے کوئی روایت بھی قضا کے واجب ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ جیسا کہ جناب صدوقؒ نے عیسیٰ ابن منصور سے نقل کیا ہے، عیسیٰ کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں تھا اور وہ "یوم شک" تھا، آپ نے غلام سے فرمایا، جاؤ دیکھو آیا "سلطان" روزے سے ہے یا نہیں غلام نے آ کر خبر دی "بادشاہ" روزے سے نہیں ہے۔ تو حضرتؑ نے کھانا منگوایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھانے میں شرکت کی۔ یہ روایت صرف افطار کے جواز پر دلالت کرتی ہے وجوب قضا کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ باب مذکور کی دوسری، تیسری اور چھٹی روایت کی بھی یہی حالت ہے۔

وہ روایات جو یہ کہتی ہیں کہ روزہ فاسد ہے اگرچہ افطار جائز ہے۔ جس کا لازمہ وجوب قضا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا روایت ابی العباس جو کہ صاحب جواہر کے ذیل میں ذکر ہوئی ہے اور اسی باب کی چوتھی روایت ہے اور اسی طرح پانچویں روایت بھی جس کے ذیل میں امامؑ نے یہ فرمایا تھا کہ ایک دن افطار کر کے اس کی قضا رکھ لینا میرے لئے قتل ہو جانے اور خدا کی عبادت سے محروم ہو جانے سے آسان ہے۔ ان دونوں روایتوں سے وجوب قضا سمجھ میں آتا ہے

لیکن دونوں روایتیں سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔

شیخ نے ابی الجارود سے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ روزہ صحیح ہے۔ روایت یوں ہے۔ "ابو الجارود کا بیان ہے کہ میں نے ایک سال جب ہمیں قربانی کے بارے میں شک ہوا تو امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی بعض لوگ قربانی کرتے ہیں آپ کا کیا حکم ہے؟ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا، افطار، قربانی اور روزہ سب لوگوں کے ہمراہ ہے۔" روزہ کی صحت کا شبہ اس روایت سے اس دعویٰ پر مبنی ہے کہ جب لوگ افطار کرتے ہیں، وہ حقیقت میں افطار کا دن ہوا کرتا ہے تو ہرگز قضا واجب نہیں ہے۔ لیکن روایت کو اس معنی پر حمل کرنا بعید ہے۔ اس روایت میں مسئلہ کا صرف ظاہری حکم بیان ہوا ہے اور وہ یہ کہ تقیہ کی بنا پر افطار جائز ہے۔ لیکن قضا واجب نہ ہونے کے بارے میں روایت خاموش ہے۔ لیکن اگر مان لیا جائے کہ روایت میں عدم وجوب میں قضا کے معنی پائے جاتے ہیں جب بھی یہ روایت فساد پر دلالت کرنے والی گزشتہ اور آئندہ روایتوں کے مقابلے میں نہیں ٹک سکتی۔

اس مقام پر یہ تذکر ضروری ہے کہ تقیہ کی تمام دلیلیں جس طرح احکام کو شامل ہیں اسی طرح موضوعات کو بھی شامل ہے۔

لیکن روزے کے افطار کا مسئلہ ایک خصوصیت کا حامل ہے۔ اور وہ یہ کہ اعمال کے کافی اور مجزی ہونے کی بحث ان موارد میں ہے کہ جہاں عمل کا تعلق عبادت سے ہو اور تقیہ کی وجہ سے وہ عمل سنیوں کے مذہب کے مطابق بجالایا جائے تو ایسے موقع پر کہا جا سکتا ہے کہ قضا ساقط ہے اور وہ عمل کافی ہے۔ لیکن اگر عمل کو سنیوں کے مذہب میں نہ ہونے کی بنا پر ترک کر دیا جائے تو اس عمل کی قضا ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ مجبوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ تقیہ میں انجام پانے والا عمل واقعی کے بدلے اضطراری ہوتا ہے۔ جیسا کہ تیمم سے پڑھی جانے والی نماز وضو سے پڑھی جانے والی نماز کا بدل ہوتی ہے۔ اور اس بدلیت کی بنا پر اس عمل کو مجزی کہا جاتا ہے۔ اگر کسی عمل کو اس بنا پر ترک کیا جائے کہ وہ واجب نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ وہ عمل واجب کا بدل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس سے تکلیف ساقط ہوتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تقیہ کی بنا پر ادا ساقط ہو جاتی ہے تو قضا بھی ساقط ہونا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر شرط تقیہ موجود ہوں تو ترک قضا بلا مانع ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص مخالف مذہب کے ساتھ قید ہے اور اس کے عمل سے معلوم ہو جائے کہ وہ قضا بجا لا رہا ہے تو ایسے موقع پر قضا ساقط ہے۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے بلکہ یہ ایسا فرض ہے جس کا مصداق ملنا ناممکن ہے۔ لہٰذا جب قضا میں تقیہ نہیں ہے تو قضا بجا لانا واجب ہے۔

تیسرا مسئلہ ۱۷

آیا تقیہ کی شروعیت کے لئے اس سے فرار کا راستہ نہ ہونا معتبر ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں چند قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ تقیہ ہر حال میں درست ہے چاہے اس سے راہ فرار ممکن ہو یا نہ ہو۔ شہید اول، شہید ثانی اور محقق ثانی نے اپنی کتابوں میں اسی

کو بیان کیا ہے۔

دوسرا قول صاحب مدارک کا ہے۔ جن کا نظریہ ہے کہ ہر صورت راہ فرار کا نہ ہونا معتبر ہے۔

تیسرا قول تفصیل پر مبنی ہے۔ فرماتے ہیں: "اگر متعلق تقیہ ایسا عمل ہو جس میں کسی خاص دلیل کی بنا پر تقیہ کی اجازت ہو تو اس میں اس شرط کا لحاظ معتبر نہیں ہے۔ جیسا کہ نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں دلیل خاص کی بنا پر تقیہ صحیح ہے لیکن اگر تقیہ کی دلیل خاص نہ ہو بلکہ وہ عمومات ہوں جو ہر ضرورت اور مجبوری میں تقیہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جیسے نبیذ سے وضو کرنا یا قبلہ کے علاوہ رخ کر کے نماز پڑھنا، تو اس صورت میں عمل اسی وقت صحیح ہوگا جب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر راہ فرار ممکن ہو تو اسے اضطرار و مجبوری نہیں کہتے۔ اس تفصیل کو محقق ثانی کے علاوہ سے بیان کیا گیا ہے۔"

چوتھا قول وہ تفصیل ہے جس کو شیخ بزرگوار علامہ انصاری نے اختیار کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ مکلف تکلیف واقعی کے بجا لانے پر زمان اور جگہ کی تبدیلی کے بغیر قادر ہو۔ مثال کے طور پر ظاہر میں اس کا عمل جس سے تقیہ کر رہا ہے اس جیسا ہو جب کہ حقیقت میں وہ اپنا صحیح عمل انجام دے رہا ہو۔ مثلاً ان کے امام کے پیچھے نہایت دھیرے قرأت کرے اور ان کو یہ دکھائے کہ خاموش ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں تقیہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں جگہ اور وقت کی تبدیلی کے بغیر راہ فرار ممکن نہیں ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وقت کے ایک حصہ میں تقیہ کی ضرورت درپیش ہو۔

مثلاً اگر اول وقت نماز پڑھنا چاہے تو بغیر تقیہ کے نہ پڑھ سکے جب کہ بعد میں پڑھ سکتا ہو اس صورت میں تقیہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ پورے وقت میں راہ فرار کا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کسی خاص جگہ تقیہ ضروری ہو۔ تمام جگہوں پر اس کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً مسجد الحرام یا مسجد النبی میں عمل بجالانا چاہے تو بغیر تقیہ کے ممکن نہ ہو جبکہ دوسرے مقامات پر تقیہ کے بغیر صحیح عمل بجا لا سکتا ہو۔ اس صورت میں بھی عمل جاری ہے اور تقیہ درست ہے۔ اس لئے کہ ہر جگہ راہ فرار کا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ تمام عمل میں راہ فرار کا نہ ہونا شرط ہے۔

لیکن ہمارا نظریہ یہ ہے

پہلی بات یہ ہے کہ تمام اقوال تقیہ خوفی سے مربوط ہیں۔ اور مداراتی تقیہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ مداراتی تقیہ میں وقت یا جگہ تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی جگہ اور اسی وقت عمل بجالائے تاکہ ان روایتوں پر عمل ہو سکے جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کا تقیہ دلوں کو نزدیک کرنے اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے شروع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس میں راہ فرار کا نہ ہونا معتبر نہیں ہے۔ (یعنی اگر راہ فرار ممکن بھی ہو جب بھی تقیہ کر سکتے ہیں۔) کیا امام کے اس قول کو "کہ ان کے مریضوں کی عیادت کرو ان کے جنازوں میں شرکت کرو" یا اس قسم کے دوسرے قول کو اضطرار پر محمول کر کے کہا جا سکتا ہے کہ امام کی مراد یہ ہے کہ اگر راہ فرار ممکن نہ ہو تو تقیہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ ان امور میں شرکت کر سکتے ہو۔؟ ہرگز نہیں۔

اس میں کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

البتہ اگر ہم یہ کہیں کہ اس قسم کے تقیہ میں انجام دیا گیا عمل کافی ہے تو شیخ انصاری کی بیان کردہ تین صورتوں میں سے پہلی صورت کو جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ اگر بغیر کسی تبدیلی کے اس جگہ صحیح عمل بجالانے پر قادر ہو تو اس میں تقیہ درست نہیں ہے۔ کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ روایات اس صورت کو شامل نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تقیہ خوفی میں بلا شبہ پورے وقت میں تقیہ سے بچنے کا راستہ نہ ہونے کی شرط معتبر نہیں ہے۔ اس کی دلیل اجماع اور عمومات تقیہ میں نہیں۔ اس لئے کہ اجماع اس مسئلہ میں معتبر نہیں اور عمومات تقیہ مطلق اضطرار کو شامل ہیں۔ جو پورے وقت میں ہوتا ہے بلکہ اس کی دلیل وہ خاص روایتیں ہیں جو تقیہ کی حالت میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیتی ہیں۔ اور ان کو "پورے وقت میں مضطر ہونے" پر حمل کرنا نادر پر عمل کرنے کے مترادف ہے

اسی طرح اگر انسان دوسری جگہ صحیح عمل بجالانے پر قادر ہو تب بھی مسجد ہی میں نماز ترک کرتے ہوئے تقیہ سے بچنا اور اپنے گھر میں جا کر نماز پڑھنا واجب نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بہت سی روایتوں میں سے بطور نمونہ ذیل میں چند روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ احمد بن ابی نصر بزنطی امام رضا علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام کی خدمت میں عرض کی کہ میں نماز مغرب میں ان لوگوں کے ساتھ شریک ہوتا ہوں۔ وہ لوگ اس قدر جلدی نماز پڑھتے ہیں کہ میں اذان و اقامت کہنے کے بغیر صرف "سورہ حمد" ان کے ساتھ پڑھ پاتا ہوں۔ کیا میری نماز درست ہے۔؟ مولا نے فرمایا کہ تمہارے لئے صرف "سورہ حمد" پڑھ لینا کافی ہے

۔ ج ۴ باب ۳۳۔ ابواب صلاۃ الجماعۃ

صاف ظاہر ہے کہ یہاں ترک سورہ مجبوری کی حالت میں نہیں ہے۔

ابو بکر ابی عیین کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو عبداللہ سے سوال کیا کہ ناصبی کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔؟ فرمایا جب وہ بلند آواز سے پڑھے تو تم خاموشی سے سنتے رہو اور اس کے بعد اپنے رکوع اور سجدے بجا لاؤ۔[1]

۲۔ زرارہ سے مروی ہے کہ امام محمد باقر نے فرمایا کہ ناصبی کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی قرات کو اگر تم سن رہے ہو تو تمہیں خود سے پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہی کافی ہے۔[2]

دوسری اور تیسری روایت کو تقیہ پر محمول کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس طرح اکثر موارد میں انسان تقیہ سے بچ سکتا ہے۔ مثلاً یا تو گھر میں نماز پڑھ لے یا اس نماز سے پہلے یا بعد اپنی نماز ادا کر لے۔

۴۔ ابی بصیر لیث مرادی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر سے عرض کی کہ جس کی ہم اقتدا نہیں کرتے اس کے ساتھ نماز کیسے پڑھی جائے۔؟ حضرت نے فرمایا تم ہر عمل ان سے پہلے بجا لاؤ۔ اس لئے کہ تم حمد میں ہو۔ لیکن اگر وہ تم سے پہلے فارغ ہو جائیں تو تم قرات چھوڑ کر ان کے ساتھ رکوع میں چلے جاؤ۔[3]

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر حالت میں ان کے ساتھ پڑھی گئی

۱۔ ج ۳، باب ۳۴، ابواب صلاۃ الجماعۃ۔

۲۔ ۵۰۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۳۔ ۱۰۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نماز کافی ہے چاہے خواہ کسی جگہ اپنی نماز پڑھنے پر قادر ہی کیوں نہ ہو۔

۵۔ حمران حضرت ابو عبداللہ سے کتاب علی علیہ السلام کا حوالہ دیتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ کتاب مذکور میں ہے کہ جب وہ وقت کے اندر جمعہ قائم کریں تو تم ان کے ساتھ جمعہ میں شرکت کرو اور اس وقت تک اپنی جگہ سے حرکت نہ کرو جب تک دو رکعتیں اس کے علاوہ نہ پڑھ لو۔ میں نے عرض کی "اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے چار رکعت نماز پڑھی!" فرمایا "ہاں"۔[1]

یہ روایت بھی بطور مطلق نماز کے کافی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

۶۔ حمران ابن اعین سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقر کی خدمت میں عرض کی۔ میں آپ پر قربان! یہ لوگ جب جمعہ کی نماز وقت کے اندر ادا کریں تو میں ان کے ساتھ نماز پڑھ لوں۔؟ فرمایا "ہاں"۔ یہ خبر سن کر حمران زرارہ کے پاس پہنچا اور خبر دی کہ ہمیں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ زرارہ نے کہا بغیر دلیل کے ایسا ممکن نہیں۔ حمران نے کہا چلو خود ان سے سن لو.......... چنانچہ حمران کا بیان ہے کہ ہم حضرت کی خدمت میں پہنچے اور زرارہ نے عرض کی "حمران نے مجھ سے یوں بیان کیا ہے کہ آپ نے ہمیں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے تو مجھے یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ تو امام نے فرمایا حسین ابن علی ان کے ساتھ دو رکعت پڑھتے تھے اور ان لوگوں کے فارغ ہو جانے کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ پڑھا کرتے تھے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔

دوسری روایت میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم مطلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بالاتفاق دو رکعتیں پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یا پھر اپنی جگہ الگ سے دو رکعتیں اضافہ کرنا

۱۔ ج ۱۲، باب ۲۹، ابواب الجمعۃ۔

ضروری ہیں کہ جہاں ممکن ہو ۔ اور تقیہ ایسی حالت میں ہو کہ جہاں انسان اسی وقت میں قتل ہونے یا بغیر تقیہ سے بچ سکتا ہو ۔ پھر بھی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کے اعتبار سے بدستور تقیہ ہو گا ۔

تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ تقیہ سے بچنے کا راستہ نکالنا امکان اور ممکن ہونے کے اعتبار سے ضروری نہیں ہے ۔ چاہے تقیہ بطور روایات میں ہو یا تمام دوسرے موارد میں اگرچہ اطلاقات تقیہ اگرچہ عملاً ضرورت تقیہ سے مقید ہیں کسی چیز پر دلالت نہیں رکھتے

چوتھا مسئلہ

محور تقیہ — خوف شخصی ہے یا خوف نوعی

تقیہ میں خوف معتبر ہے ۔ چاہے خوف گمان ہو یا شک ۔ بلکہ اگر احتمال ضعیف بھی ہو لیکن عقلاء کے نزدیک معتبر ہو ۔ عرف عام میں تینوں صورتوں میں عنوان خوف صادق آتا ہے اگرچہ تمام خوف قوی یا ضعیف ہو ۔ اس کے حکم کے متفاوت ہونے پر اثر انداز ہوتا ہے حق انصاف یہ ہے کہ خوف کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ۔

پہلی صورت:

کسی تقیہ کرنے والے کو اپنی جان ، مال ، آبرو یا کسی ایسی چیز یا شخص کا خوف ہوتا ہے جو اس سے وابستہ ہو ۔ یا کسی ایسے شخص کے بارے میں خوف ہو سکتا ہے جو اس سے متعلق نہ ہو ۔

دوسری صورت:

اور بعض اوقات ہمارے کسی ایسے شخص یا جماعت کے متضرر ہونے کا خوف ہو سکتا ہے کہ جو دشمنوں کے حصار میں ہو ، اور تقیہ ترک کرنے کی صورت میں ان پر سختی کئے جانے کا اندیشہ ہو ۔

پہلی صورت کا حکم

پہلی صورت میں یعنی خوف شخصی کے موضوع میں بلاشبہ احکام تقیہ جاری ہوں گے ۔ بلکہ یہ صورت تقیہ کے کھلے مصادیق میں سے ہے جس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں تقیہ کو سپر وغیرہ کہا گیا ہے ۔ ان کے علاوہ درج ذیل بعض روایات میں کھلا حکم بیان ہوا ہے ۔

۱۔ حدیث شرائع دین میں اعمش نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت بیان کی ہے ۔ حضرت نے فرمایا: تقیہ کے ذریعہ میں کسی کافر یا ناصبی کا قتل جائز نہیں ہے ۔ مگر یہ کہ وہ قاتل ہو یا مفسد فی الارض ہو ...... البتہ ایسے ذمی کو بھی اس وقت تک قتل نہ کیا جائے جب تک تمہیں اپنی یا اپنے دوستوں کی جان کا خطرہ نہ ہو ۔ یاد رکھو! کہ دار التقیہ میں تقیہ کا استعمال واجب ہے ۔ ۱۔ ج ۲ باب ۲۴ ابواب امر بالمعروف ۔

روایت سے ظاہر ہے کہ محور تقیہ کے سلسلہ میں قدر متیقن خوف شخصی ہے ۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص تقیہ اختیار کر کے اپنے آپ کو کمینہ لوگوں سے محفوظ نہ رکھے وہ ہم میں سے نہیں ہے ۔ ج ۲ ، ۲۴ باب امر بالمعروف

۳۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے

کہ تقیہ مومن کے ان بہترین اعمال میں سے ہے جس کے ذریعہ وہ ظالموں سے اپنے نفس کو اور اپنے بھائیوں کو محفوظ رکھتا ہے .... اپنے بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی متقین کے شریف ترین اعمال میں سے ہے۔[1]

ابواب امر بالمعروف کے حاشیوں میں بلکہ اور بھی بہت سی روایات ہیں جو اس موضوع پر دلالت کرتی ہیں جن میں تقیہ کو بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی کے قبیل قرار دیا گیا ہے۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ تقیہ بھائیوں کے حقوق میں سے ایک حق ہو جس کو اہم احسان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہو اس لئے کہ تقیہ کے ذریعہ بھائیوں کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ جس طرح اپنی جان اور اپنے حق کی حفاظت کے لئے تقیہ واجب ہے اسی طرح اپنے بھائی کے حق و جان کی حفاظت بھی اس کے ذریعہ واجب ہے۔

اسی طرح وہ روایات بھی دلالت کرتی ہیں جن کے مطابق ترک تقیہ اپنے کو ہلاکت میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔ اس طرح کی روایات بہت سی ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس طرح اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے اسی طرح ترک تقیہ کے ذریعہ اپنے بھائیوں کو بھی ہلاکت میں مبتلا کرنا حرام ہے۔

دوسری صورت کا حکم

تقیہ کرنے والے کو خود کوئی خطرہ نہ ہو مگر کسی دوسری جگہ کے عام شیعہ افراد کو اس کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا سخت اندیشہ ہو۔ مثال کے طور پر کسی مومن کے ہاں کسی

۱۔ ج ۳، باب ۲۸، ابواب امر بالمعروف۔

شہر میں کچھ غیر مذہب والے مہمان کے طور پر آئیں جبکہ اس شہر میں اس مومن کے رشتہ دار بھی رہتے ہوں۔ اگر وہ مومن ان غیروں سے تقیہ نہ کرے تو اس کے رشتہ داروں اور وہاں کے شیعوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہو جائے (احتمالی طور پر) متضرر ہونے والا ایک شخص ہو یا ایک جماعت ہو اس صورت میں بھی تین دلیلوں سے تقیہ جائز ہے۔

پہلی دلیل: ملاک تقیہ اور قاعدہ اہم و مہم کی رعایت ہے۔

دوسری دلیل: چونکہ ضرورت تقیہ کی متقاضی ہے لہٰذا تقیہ پر دلالت کرنے والی عام دلیلیں اس مورد کو بھی شامل ہیں۔

تیسری دلیل: تقیہ کی کثیر روایات (جن کو ذیل میں ہم بیان کر رہے ہیں) اس مورد بلکہ اس سے وسیع تر موارد پر بھی دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں حسن ابن علیؑ سے منقول ہے تقیہ ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ پروردگار کسی قوم کی مشکلیں آسان کرتا ہے۔ تقیہ کرنے والے کو اس قوم کے اعمال کے برابر ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ تقیہ کو ترک کر دینا اس قوم کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے لہٰذا جو شخص ایسے موقع پر تقیہ کو ترک کرے اس کا شمار اس قوم کو ہلاک کرنے والوں میں ہوگا۔

۲۔ شیخ طوسیؒ کی مجالس میں ان کی اسناد کے ذریعہ دو ثقہ راویوں سے مروی ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کوئی خطرہ نہ ہونے کی صورت میں تقیہ کو اپنا شعار بنا کر اس شخص کو تحفظ نہ دے جو خطرہ میں ہو۔"

اس روایت کا دائرہ عمل وسیع تر ہے اس لئے کہ اس کی روشنی میں بطور حفظ ماتقدم بھی تقیہ جائز ہے۔ چاہے اس مورد میں کوئی خطرہ درپیش نہ ہو۔ چونکہ اگر بطور حفظ ماتقدم انسان تقیہ کی عادت نہ ڈالے تو ممکن ہے کہ موارد وجوب میں وہ تقیہ کی مخالفت کا مرتکب ہو جائے

پانچواں مسئلہ !

موارد وجوب میں تقیہ کی مخالفت۔

موارد وجوب میں تقیہ کی مخالفت بلاشبہ گناہ ہے۔ لیکن کیا جو عمل انجام دیا گیا ہے وہ صحیح متصور ہوگا یا نہیں۔؟ بطور مثال تقیہ کا تقاضہ ہے کہ نماز جماعت سے پڑھی جائے مگر امام جماعت کی بے عدالتی و عدم صلاحیت کے پیش نظر کوئی فرادیٰ نماز پڑھے جو تقیہ کی مخالفت کرے تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا باطل۔؟ یا بعض مواقع پر درست ہوگی اور بعض موقعوں پر باطل ہوگی۔؟

حضرت علامہ مرحوم شیخ انصاریؒ تفصیل کے قائل ہیں۔ مرحوم کا بیان ہے کہ اگر عمل جس میں تقیہ کی مخالفت ہو رہی ہو ایسا امر ہو جو عبادات کے ساتھ متحد ہو جیسے خاک شفا پر تقیہ کی مخالفت کرتے ہوئے سجدہ کرنا تو عمل باطل ہے۔

لیکن اگر عمل عبادت کے ساتھ متحد نہ ہو بلکہ عبادات کے علاوہ ہو جیسے جہاں تقیہ کی بنا پر ہاتھ باندھنا واجب ہو وہاں ہاتھ کھول کر نماز پڑھے" تو عمل باطل نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں شریعت نے خاک شفا پر سجدہ کرنے سے روک رکھا ہے جو عبادت یعنی سجدہ سے متحد ہے اور شریعت کی مخالفت حرام ہے۔ فعل حرام کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا عمل باطل ہے۔

اس کے برخلاف دوسری صورت میں فعل حرام "ہاتھ باندھنا" ہے جو ایک امر خارجی ہے لہٰذا عبادت صحیح ہے۔ یہ شیخ صاحب کا نظریہ ...... حالانکہ مسئلہ کا تعلق اس چیز

سے ہے کہ اوامر تقیہ کی حقیقت کیا ہے؟

بعض کہتے ہیں کہ اوامر تقیہ مثل اضطراری ہیں اور ان کا مامور بہ عمل واقعی کا بدل ہوتا ہے جبکہ کچھ حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ یہ بدل اضطراری نہیں۔ اپنے مامور بہ کو نفسی واجب قرار دیتے ہیں۔

اگر ان کو اوامر اضطراریہ کی مانند تسلیم کر لیا جائے تو تقیہ کی مخالفت سے عمل باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ مامور بہ کو انجام نہیں دیا گیا ہے ...... لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ان کا مامور بہ نفسی واجب ہوتا ہے تو عمل فاسد نہیں ہوگا۔ البتہ مسئلہ اجتماع امر و نہی میں اگر عبادت حرام کے ساتھ متحد ہو جائے اور ہم اس کے بطلان کے قائل ہو جائیں تو عمل فاسد ہوگا۔

چھٹا مسئلہ !

تقیہ کے بعد

کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر تقیہ کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص تقیہ کی حالت میں وضو کرے اور ایک وقت کی نماز پڑھنے کے بعد تقیہ کا جواز ختم ہو جائے لیکن اس کا وضو ابھی باقی ہو تو کیا اسباب تقیہ کے ختم ہوتے ہی وضو بھی بے کار ہو جائے گا یا جب تک نئے سرے سے وضو کی حاجت نہ ہو تو نماز پڑھنا درست ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی عقد یا ایقاع کا معاملہ تقیہ کی حالت میں انجام پائے تو کیا تقیہ کے بعد اس کا اثر باقی رہے گا یا نہیں؟

قاعدہ اولیہ کا تقاضا یہ ہے کہ تقیہ کے بعد تمام موارد میں اس عمل کا اثر باقی نہیں رہتا

کا۔ مگر کسی خاص مورد میں کوئی دلیل موجود ہو۔ اگر دلیل ہو تو تقیہ کے بعد عمل فاسد ہوگا
اگر کوئی اس کی صحت کا دعویٰ کرے تو دیکھنا ہے کہ اس کے پاس دلیل بھی ہے
یا نہیں؟

بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ دلیل موجود ہے جو کبھی اوامر خاص میں اور کبھی
اوامر عام۔

اوامر خاص وہ ہیں جو موارد تقیہ میں وارد ہوتے ہیں۔ جیسے وضو کا حکم جس سے
استفادہ ہوتا ہے کہ تقیہ کے بعد بھی وہ وضو کارگر ثابت ہو سکتا ہے اور دوسرا وضو انجام دینے
کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رفع حدث امتثال امر کے آثار میں سے ہے اور اس مورد
میں وضو کے ذریعہ حدث مرتفع ہو چکا ہے لہٰذا ہر وہ مورد کہ جس میں مثلاً وضو کا حکم موجود ہوا اس
میں وضو انجام دینے سے حدث رفع ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کی نظر میں ایسا کوئی مورد ہے کہ
جس میں وضو کا امر موجود ہو اور اس کے انجام دینے سے حدث رفع نہ ہوتا ہو؟

دائم الحدث کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ وضو اس کے لئے صرف مبیح صلاۃ ہے
وہ دائم الحدث ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ وضو رافع نہیں ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جس مورد میں بھی بعض اسباب شرعیہ کے بارے میں تقیہ کے
وقت خاص امر وارد ہوا ہو چاہے وہ امر وضو اور غسل کے مانند عبادات میں سے ہو یا نکاح اور
طلاق کی طرح عقود و ایقاعات میں سے ہو۔ وہ امر خود شرط واقعی کے موجود ہونے کی دلیل ہے
لہٰذا اس کے تمام اثرات مرتب ہوں گے۔ چاہے اسباب تقیہ موجود ہوں یا زائل ہو گئے
ہوں۔

رہ گئیں وہ عام روایات جن کے مطابق ہر ضرورت کے وقت تقیہ جائز ہے

اور نبیذ کے استعمال اور موزوں پر مسح کرنے کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ ہے۔ ان کے بارے
میں گزشتہ بحثوں میں عرض ہو چکا ہے کہ یہ ہر حال میں تقیہ کے جائز ہونے پر دلالت کرتی
ہیں۔ ہر چیز کا جواز اس کے حسب حال ہوتا ہے۔ وضو کا جواز رفع حدث میں ہے۔
بیع و شراء کا جواز اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جس کا نتیجہ حصول ملکیت ہے اور طلاق
کا جواز مرد و عورت میں جدائی کی علامت ہے۔

لیکن ان باتوں کے باوجود دونوں موارد میں اشکال ممکن ہے۔ عام روایتوں کی
دلالت میں یہ اشکال ہے کہ ان سے جواز تکلیفی اور نفی حرمت مستفاد ہوتے ہیں۔ .....
..... جواز وضعی ان سے سمجھ میں نہیں آتا۔ لہٰذا ان کے ذریعہ آثار وضعیہ (جیسے عقود
و ایقاعات) کی صحت پر استدلال بہت مشکل ہے۔

اوامر خاصہ میں مشکل یہ ہے کہ وہ ہماری بحث کے موضوع کو شامل نہیں ہیں۔
ان کی حیثیت اوامر اضطراریہ جیسی ہے پانی اگر میسر ہو جائے تو وضو ختم ہو جاتا ہے بالکل
اسی طرح تقیہ کے بعد یہ اوامر بھی کالعدم ہو جاتے ہیں۔

علاوہ بریں اہل نظر جانتے ہیں کہ تقیہ امر شرعی ہونے سے پہلے امر عقلی ہے اور
عقلا اسی وقت تک اس امر پر عمل کرتے ہیں جب تک تقیہ باقی رہے۔ جہاں تقیہ کے اسباب
زائل ہوئے وہیں عقلاء کے نزدیک یہ اوامر ختم ہو جاتے ہیں اور وہ تقیہ سے پہلے والے اوامر
اختیاریہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ زوال تقیہ کے بعد ظرف تقیہ میں انجام دیئے گئے وضو یا غسل
جیسے دیرپا اثر رکھنے والے عمل کا اثر باقی رہنا بہت مشکل ہے۔

ساتواں مسئلہ:

آیا تقیہ واجب نفسی ہے

یا واجب غیری ؟

موارد وجوب میں آیا تقیہ بنفس نفیس واجب ہے یا بطور مقدمہ حفظ نفوس و صیانت دین کے لئے واجب ہے؟

بظاہر تقیہ پر سرسری نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقیہ مقدمہ کے طور پر بلا وجہ پیش آنے والے دینی یا دنیاوی خطرے کو ٹالنے کے لئے واجب ہے۔ دلیل عقل بھی اس سے زیادہ پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی طرح وہ دلیل جس کے بموجب ترک تقیہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے اس کا مفاد بھی یہی ہے کہ جان کو بچانے کے لئے تقیہ واجب ہے۔

لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تقیہ اپنے اثر کے اعتبار سے واجب نفسی ہے۔

اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ جو دلیلیں خوف کے وقت تقیے پر دلالت کرتی ہیں ان کے عمومیت سے وجوب نفسی کا اظہار ہوتا ہے چاہے ترک تقیہ سے نقصان ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو جو حفظ نفوس جس کو تقیہ کی علت قرار دیا جاتا ہے وہ اس کے لئے علت نہیں ہے بلکہ اس کا فلسفہ ہے۔ اسی لئے تارک تقیہ کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر امام حسن عسکری کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے (ہماری ولایت یا ہم سے دوستی کے بعد تم پر سب سے بڑی ذمہ داری اپنے نفوس اور اموال اور معارف کی حفاظت کے لئے تقیہ استعمال کرنا اور اپنے ہم نوعوں کے حقوق ادا کرنا ہے اس کے علاوہ بے شک خدا ہر گناہ کو بخش دے گا اور ان کا حساب نہیں لے گا۔ وہ گناہ یہ دو قسم کے ہیں جو سخت عذاب برداشت کرنے کے بعد ہی نجات مل پائے گی)

اسی طرح وہ روایتیں جو ترک تقیہ کو اپنے بھائیوں کے حقوق پامال کرنے کے مترادف قرار دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر تفسیر مذکور میں علی بن حسین کا قول ہے۔ (خدا مومن کے تمام گناہوں کو بخش دے گا، دنیا و آخرت میں اسے پاک و پاکیزہ قرار دے گا صرف دو گناہوں کے علاوہ۔ وہ دو گناہ ترک تقیہ اور اپنے بھائیوں کے حقوق ضائع کرنا ہیں)

اس کے علاوہ ابن ادریس کی سرائر کے آخر میں ایک روایت ہے جس کو علی بن محمد (دو سرے امام) سے نقل کیا ہے۔ حضرت علیہ السلام نے داؤد صرمی سے فرمایا (اگر میں یہ کہوں کہ تارک تقیہ تارک صلاۃ کے مانند ہے تو میں اپنی گفتار میں سچا ہوں)

اور بھی بہت سی روایات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ واجب نفسی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ترک تقیہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، اور یہ فعل تقیہ کی ضد ہے تقیہ کے لئے مقدمہ نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا بنفسہ حرام ہے۔ پس ترک تقیہ بھی بنفسہ حرام ہے جو موجب عقاب اور باعث فسق ہے معلوم ہوا کہ تقیہ کا وجوب نفسی ہے۔

آٹھواں مسئلہ:

تقیہ کی تیسری قسم۔

گذشتہ بحثوں میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ تقیہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ تقیہ خوفی۔ ۲۔ تقیہ تحبیبی۔

پہلی قسم کو جان و مال، عزت و آبرو اور دین کے تحفظ کے لئے کام میں لایا جاتا ہے جب کہ دوسری قسم میں تقیہ سے غرض مسلمانوں کی صفوں میں وحدت پیدا کرنا، ان کے درمیان محبت اور مودت ایجاد کرنا اور ان کے اختلافات کو ختم کرنا ہے تاکہ وہ اسلام کے دشمنوں کا مل کر مقابلہ کر سکیں۔

کہا جاتا ہے کہ تقیہ کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کو کسی راز کی حفاظت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ حکم سیاسی نوعیت کا ہے، نہ ایجاد محبت و مودت کے لئے ہے اور نہ ہی کسی خوف کی بنا پر بلکہ خالص سیاسی نقطہ نظر سے اسے حفظ مذہب کے لئے مشروعیت دی گئی ہے۔

وسائل میں اس کے لئے ایک باب مخصوص کیا گیا ہے جس پر دلالت کرنے والی چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ محمد خزاز ابو عبداللہ علیہ السلام سے ناقل ہیں۔ "حضرت علیہ السلام نے فرمایا" جو ہماری مرضی کے برخلاف ہمارے راز کو آشکار کرے وہ گویا ہمارے حق کا منکر ہے۔[1]

۲۔ ابن ابی یعفور کا بیان ہے کہ ابو عبداللہؑ نے فرمایا "جو ہمارا راز فاش کرے خدا اس کے ایمان کو سلب کر لیتا ہے۔

اس موضوع میں اس کے علاوہ بھی بہت سی روایات ہیں جن کی روشنی میں عقیدہ تقیہ کو

۱۔ ج ۲، باب ۳۴، ابواب امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

۲۔ ۳۲۔ . . . .

۳۔ ۳۰۔ . . . .

چھپانا واجب ہے بلکہ بعض ایسے موارد بھی ہیں کہ اس کے برخلاف اظہار لازم ہے کہ جن کو نااہلوں کے سامنے آشکار کرنے میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، یہ ایک طرح کا تقیہ ہے جس پر تقیہ کی تعریف صادق آتی ہے۔ مگر پہلی دو قسموں میں داخل نہیں ہے۔

لیکن انصاف تو یہ ہے کہ اس قول کی ہمراہی ناممکن ہے۔ دراصل تقیہ کی اس قسم کا تعلق بھی پہلی قسم سے ہے جس کو تقیہ خوفی کہتے ہیں۔ سر اور راز کا اطلاق ایسے ہی موقع پر ہوتا ہے جہاں میں حق و حقیقت پر مبنی دینی عقائد کے کھل کر اظہار کرنے میں جانی، مالی، عزتی اور دینی اعتبار سے متضرر ہونے کا خوف ہو، اور اگر کسی مورد کے اظہار میں کوئی خوف نہ ہو تو اسے راز نہیں کہا جاتا۔ لہٰذا وہ "کتمان سر" کے عنوان کے تحت نہیں آئے گا۔ ......

چنانچہ اسی باب کی ایک سے زیادہ روایتیں ہماری بات کی تائید میں موجود ہیں۔

۱۔ یونس بن یعقوب اپنے واسطے سے ابو عبداللہؑ سے ناقل ہیں حضرتؑ نے فرمایا۔ "ہمارا راز فاش کرنے والا ہمیں بر بنائے خطا قتل نہیں کرتا بلکہ عمداً قتل کرتا ہے۔"

یہ روایت صاف کہہ رہی ہے کہ راز فاش کرنا صرف عظیم نقصان بلکہ قتل کا سبب بن سکتا ہے بلکہ فاش کرنے والا اس جرم سے گناہ وہ خود قاتل کہلائے گا۔ .... کیا یہ تقیہ خوفی کے ترک کے مصادیق میں سے نہیں ہے۔ جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ خوف کا تعلق اپنے ہی نفس سے نہیں بلکہ غیر سے بھی ہے۔

۲۔ دوسری روایت محمد ابن مسلم سے ہے۔ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا۔ "قیامت کے دن ایک شخص کو اٹھایا جائے گا اور ایک ...... کی مقدار اس سے زیادہ خون اس کو دینے کے بعد کہا جائے گا کہ یہ فلاں شخص کا خون ہے جس کے قتل میں تو بھی شریک تھا۔"

عرض کرے گا پروردگارا! تو خوب جانتا ہے کہ جب تو نے مجھے دنیا سے

افشا نہ کیا تھا اس وقت تک میں نے کسی کا خون نہیں بہایا۔" خدا اسے گی۔ ہاں لیکن تجھ پر جب اس شخص نے تجھ سے اپنا راز بیان کیا تو تو نے اس راز کی حفاظت نہیں کی اور اسے فاش کر دیا۔ ظالم شخص کو اس کی خبر ہو گئی اور اس ظالم نے اس شخص کو قتل کر دیا اس طرح تو اس کے قتل میں شریک ہوا۔ لہٰذا اس کے قتل میں تیرا بھی حصہ ہے!

لہٰذا ترک تقیہ کی وہ قسم نہیں ہے جس کی بنا پر دوسرا ہلاکت کا شکار ہوتا ہے

۳۔ اسحاق بن عمار کا بیان ہے کہ حضرت ابو عبداللہ نے درج ذیل آیۂ کریمہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔ "ذالک بانہم کانوا یکفرون بآیات اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون۔" خدا کی قسم انہوں نے اپنے ہاتھوں اور تلواروں سے نبیوں کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کے رازوں کو فاش کیا جس کے نتیجہ میں وہ پکڑے گئے اور انہیں ظلم و معصیت کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا گیا۔

ان کے علاوہ اس مضمون کی بہت سی روایات ایسی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ راز کا تعلق ایسے حقائق سے ہے کہ جن کا فاش کر دینا عظیم نقصان کا باعث بن سکتا ہے لہٰذا اس راز کو نقل کرنا تقیہ کے منافی ہے چونکہ اس سے اپنی یا دوسرے کی جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے

پس ان روایات کے مضمون سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ یہ تقیہ کی تیسری قسم نہیں ہے بلکہ ان ہی دو قسموں میں شامل ہے۔

ضمیمہ

بحث التقیہ

ان جاءکم فاسقٌ بنبإٍ فتبینوا

النجم لکھنؤ جلد ۴۳ اشاعت ۲۱ محرم ۱۳۴۵ھ میں الثانی من الماتین کے عنوان سے ایک مضمون لکھا گیا ہے جس کے رد کی تکمیل بعنایت الٰہی ذمہ دار ہوا اسلئے آج یہ بحث کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے ناظرین کرام سے امید ہے کہ وہ اسکے ایک ایک حرف پر نہایت غور و فکر سے نظر ڈالیں گے تاکہ کسی کاذب کے اخبار و کلمات کے فریب ہی کا موقع نہ آنے پائے۔ وہو المعین

النجم: خلاصہ اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جھوٹ ایک ایسی بری نجاست ہے جسکو دنیا میں آج تک کسی انسان نے اچھا نہیں سمجھا اہل مذہب اور لامذہب سب اس سے نفرت کرتے ہیں حتی کہ بت پرست بھی اسکو نہایت برا جانتے ہیں جھوٹ بولنا سب کے نزدیک نہایت ذلیل کام ہے بقول سعدی سہ دروغ اے برادر مگو زینہار کہ کاذب بود خوار و بے اعتبار"

سہیل۔ بیشک ایسا ہی ہے لیکن دنیا اس مطلب کو کہہ سکتی ہے حضرت نے فرمایا شاعر وہ اس مطلب کو نہیں کہہ سکتا کیونکہ اسکے نزدیک عقل کیلئے کوئی حکم ہی نہیں تجویز کیا گیا جو کچھ ہے وہ نقل ہے اور وہ امر جسمیں لامذہب بھی شریک ہو سکتا ہے وہ وہی ہے جسکی بنیاد عقل کے حکم پر واقع ہوئی ہے ورنہ اسکو آپ کی نقل سے کیا مطلب اور جب یہ ہے تو تم یہی خیال کر کے چپ ہو جاؤ کہ یہ دیکھو ہے جو منقول ہے تم کو عقل سے کیا غرض اور تمہارے مذہب نے تمہیں اس قابل کہاں رکھا ہے کہ عقل سے احتجاج کر سکو۔ پھر تمہیں یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ ایسی بات نہ لکھو جو تمہارے مذہب کی ادہم ہو کیونکہ جھوٹ کے سوا اور کوئی چیز تمہاری نصرت نہیں کر سکتی جیسا کہ ہم اس مضمون میں آئندہ اس مطلب کے چہرہ سے پردہ ہٹائیں گے مدیر چونکہ اپنے مذہب کے راستوں سے ناواقف ہے اور وہ اس مطلب کو نہیں جانتا کہ اسکے مذہب کے بڑے سے بڑے عالموں نے کذب صریح کی اجازت دی رکھی ہی نہیں تو وہ کیوں خلاف کذب پر کمر باندھنا چاہتا ہے۔ جب النجم جن لوگوں کے پاس جاتا ہے اگرچہ انہیں سے

آخر تو مدیر جی کی طرح مذہب کے پابند ہیں لیکن بعض ایسے بھی ہیں جنکو تقدس کا طریقہ معلوم ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اس طبقے کے پیچھے کیا چیز مخفی ہے جس مدیر کو اس امر کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ وہ شرح اشباہ والنظائر حموی کو بغور دیکھے تو اسے اس کتاب میں یہ عبارت نظر آئیگی۔

في شرح العيني للبخاري في باب	خلاصہ ترجمہ کلام یہ ہے کہ شرح عینی جو صحیح بخاری کے متعلق ہے اس میں حدیث
[illegible]	قتیبہ میں جہاں اور باتیں ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ ظالم کے پنجے سے کسی چیز کے نکالنے
قتيبة بن الليث [illegible]	کے لیے حیلہ جائز ہے اگر حیلہ بات کا علم ہو جائے کہ بغیر جھوٹ خلاصی نا ممکن ہے
[illegible] الحديث [illegible]	تو جھوٹ بولنا بھی جائز ہوگا یا شک کہ کھلا ہوا سپید جھوٹ جائز ہو جائیگا اور
[illegible]	کبھی یہ سپید جھوٹ اس وقت واجب ہو جائیگا اور یہ وجوب کذب ایسا ہے جیسے
لا يحل الا بالكذب [illegible] الكذب	کل علماء کا اتفاق ہے) جب اس جھوٹ سے کسی نبی کی نجات ہوتی ہو یا کسی مسلمان
[illegible] بعض العقود	کی خلاصی ہوتی ہو اور وہ دست ظالم سے جو اسکی قتل کا ارادہ رکھتا ہو رہائی پا سکے
بالاتفاق [illegible]	یا اور مسلمان اپنے دشمنوں سے اس جھوٹ کی وجہ سے بچ سکتے ہوں تو
[illegible] المسلمين [illegible]	ہر حالت میں یہ سپید جھوٹ بولنا واجب ہو جائیگا اور فقہائے اسلام کے نزدیک
[illegible] الفقهاء لو طلب	کہ اگر کوئی ظالم کسی انسان کی امانت کسی سے غصب کرنے کیلیے مانگے تو اس شخص کو
ظالم وديعة الانسان ليأخذها	واجب ہوگا کہ وہ جھوٹ بولے اور اس امانت کے وجود کا انکار کر دے اور کہہ دے کہ مجھے
غصبا وجب الانكار والكذب	اس امانت کا مقام معلوم نہیں انتہی۔
انه لا يعلم موضعها انتهى۔	

کیوں جناب مدیر صاحب یہ عبارت آپ کے امام مذہب کی نظر اقدس سے گزری تھی یا نہیں اگر نہیں گزری تو بندہ نے نظر مبارک کے سامنے پیش کر دی صرف جھوٹ بولنے کا جواز ہی اس میں نہیں ہے بلکہ وجوب کذب صریح بھی مذکور ہے۔ پھر اب تو جناب اپنی عبارتیں اس قول کے سامنے دوہرا دیکھے کہ کس کو کہنا چاہیے کہ تف ہے ایسے مذہب پر جس میں جھوٹ بولنا جائز ہی نہیں بلکہ فرض سمجھا گیا حضرت ابو بکر نے جو حدیث سیدہ سے فدک کے حاصل کرنے کیلیے سنائی تھی وہ اسی حیلہ پر تو

نہیں تھی ممکن ہے کہ ایسا ہو بلکہ ضرور اہلبیت کو ظلم میں سے خیال کیا ہو اور فدک کا لے لینا کسی حیلہ سے واجب سمجھا ہو اور کذب صریح کے قائل ہو گئے ہوں تو اس وقت انکی ایسی حدیث کا گڑھ دینا واجب ہو گیا ہو تو پھر ایسی حدیث کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے اور مجھے ایسا کہنے کا موقع اسلیے زیادہ ملا کہ حضرت ابو بکر نے جناب سیدہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا کی تکذیب ضرور کی جا ہے انھوں نے میراث پدر کا دعویٰ کیا ہو یا ہبہ فدک کا دعویٰ کیا ہو دونوں صورتوں میں تکذیب ضرور کی اور جسکی تکذیب صحیح ہو اسکا ظالم ہونا صحیح ہے کم سے کم اپنے نفس کا ظالم ایسا شخص ضرور ہوگا پھر کیا دلیل اس بات پر ہو سکتی ہے کہ انھوں نے کذب صریح کا ارتکاب نہیں کیا۔ یہ بھی فتاوی قاضی خان میں مرقوم ہے۔

رجل دعاه الامير فسئل عن اشياء ان	خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ کسی مرد کو امیر (بادشاہ) نے اسلیے بلایا کہ اس سے
تكلم بما يوافق الشرع يصيبه مكروه	چند چیزوں کو پوچھے اگر یہ شخص موافق شرع جواب دے تو اسکو کوئی برائی
فانه لا ينبغي ان يتكلم بما يخالف الحق	صدمہ پہونچیگا ایسے شخص کیلیے یہ امر سزاوار نہیں کہ وہ خلاف شرع
هذا اذا كان لا يخاف القتل على نفسه ولا	کوئی بات کہے یہ جب ہے کہ اپنے قتل ہو جانے یا اپنے کسی عضو کے
اتلاف عضو ولا يخاف على ماله فان	تلف ہو جانیکا اندیشہ خوف نہ ہو اور نہ اپنے مال کا خوف ہو لیکن اگر جان یا مال
خاف ذلك فانه لا بأس۔	کا خوف ہو یا کسی عضو کے ضائع ہو جانیکا خطرہ ہو تو پھر شرع کے خلاف
	کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فتاوی قاضی خان چھپا ہوا ہر جگہ ملتا ہے ملاحظہ ہو جھوٹ بولنا تو خیر جیسا ہے ویسا ہے لیکن شرع کے خلاف کہنے کی اجازت جناب کے مذہب میں موجود ہے جس سے بالاتر کوئی جھوٹ ہو نہیں سکتا پھر اب اپنے مذہب کے متعلق جناب کا کیا فتویٰ ہے۔

اب یہاں ایک نظر فتح الباری پر بھی جناب کو ڈالنا چاہیے وہاں ابن حجر نے یہ قول نقل کیا ہے

قال ابن بطال تبعا لابن	یعنی ابن بطال نے ابن المنذر کے اتباع کی جہت سے کہا ہے کہ تمام فقہائے اسلام کا
المنذر اجمعوا على ان من اكره	اس بات پر اتفاق و اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے یہانتک کہ
على الكفر حتى خشي على نفسه	اسے قتل ہو جانیکا خوف ہو اس حالت میں وہ کفر ظاہر کرے و [illegible]

الحق بالکفر وقلبه مطمئن بالایمان فلا الحکم علیه بالکفر والتبری منه وزوجته الامه بن الحسن فقال ان اظهر الکفر صار مرتداً وبانت منه امرأته ولو کان فی الباطن مسلماً فقال هذا قول یحکیه عن الحمیدی ...

ایمان سے مطمئن ہو تو صرف ہرگز کافر ہونے کا حکم نہ کیا جائیگا اور نہ اسکی زوجہ اس سے علیحدہ ہوگی اور حضرت محمد بن حسن نے اس اظہار کی بابت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اظہار کفر کرنے والا مرتد ہو جائیگا اور اسکی زوجہ بائن علیحدہ ہو جائیگی اگرچہ وہ باطن میں مسلمان ہی کیوں نہ ہو یہ ایک ایسا قول ہے کہ اسکا نقل ہی کر دینا کافی ہے رد کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ کافر کہ یہ قول قطعی دلیلوں کے مخالف ہے۔

ابتک میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ یہ لوگ جھوٹ بولنے کو جائز کیے دیتے ہیں یا تو وہ اپنا عقیدہ چھپاتے ہیں کیونکہ کفر کے اظہار کا جواز بھی انکے مذہب میں مستثنیٰ ہوا جب میں یہاں تک تحریر کر چکا تو اب جا کر تحریک چھپانا ہونیکا موقع ہوا ہو۔

"ہمارا یہ مذہب میں جھوٹ بولنا اعلیٰ ترین عبادت قرار دیا گیا ہو اس مذہب کے باطل ہونے میں کسی کو شک ہو سکتا ہے اس مذہب کے لوگ اگر کسی بات کی خبر دیں کوئی بات بیان کریں تو کیسے کوئی اعتبار کر سکتا ہے۔"

اسی وجہ سے حضرت عثمان کی بات کا اعتبار مدینہ کے صحابیوں نے کیا نہ اہل مصر نے کیونکہ پہلی مرتبہ انھوں نے توبہ کی کہ اب ایسی حرکات نہ کرونگا تو اہل مصر پلٹ گئے کہ شاید اب یہ ایسی حرکتیں نہ کریں انکو کیا معلوم تھا کہ اظہار توبہ فقط لوگوں کے واپس کر دینے کیلئے ہے حقیقت میں وہ کوئی چیز نہیں ہے چنانچہ مورخ طبری اور دیگر مورخین نقل کرتے ہیں مگر یہاں صرف طبری کی روایت کو نقل کرتا ہوں جو عبرت کیلئے کافی ہے۔

وکتب عثمان الی عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح عامله علی مصر حین تراجع الناس عنه وزعم انه تائب بکتاب فی الذی خرجوا من مصر وکان

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے عامل عبداللہ بن سعید بن ابی سرح کو جو مصر کا فرمانروا تھا لکھا اسوقت جب مصر کے لوگ مطمئن ہو کر مدینہ سے مصر کی جانب پلٹ رہے تھے اور یہ خیال کر لیا گیا تھا کہ حضرت عثمان نے توبہ کر لی اب وہ آئندہ اپنی معمولی حرکتوں سے باز رہینگے)

اشد اهل الامصار علیه ما اجلب فانظر فلاناً وفلاناً فاضرب اعناقهم اذا قدموا علیک فانظر فلاناً وفلاناً فعاقبهم بکذا وکذا منهم نفر من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ومنهم قوم من التابعین فکان رسولهم ذلک ابو الاعور بن سفیان السلمی حمله عثمان علی جمل له ... قال لا قالوا فهم ارسلت قال لا علم لی لیس معک کتاب قال لا قال ارسلت فی امر ... ففتشوه فوجدوا معه کتابا الی ... فلما قرؤوا الکتاب فاذا فیه ... بعضهم ببعضهم ... للمدینه فبلغ الناس رجوعهم والذی کان من امرهم فجاءت الخبر الآفاق کما ... ونار اهل المدینه۔

خلاف مضمون یہ تھا کہ، ابو فلاں اور فلاں اہل مصر کو دیکھنا انکو قتل کر دینا جب وہ وہاں مصر میں تجھ تک پہونچ جائیں اور فلاں فلاں کو یہ سزا دینا اور یہ سزا دینا انھیں سے کچھ لوگ رسول اللہ کے صحابی تھے اور بعض لوگ انہیں تابعین میں سے تھے یہ نامہ لیکر حضرت عثمان نے ابو الاعور بن سفیان سلمی کو دیا اور اپنے اونٹ پر انکو سوار کر کے حکم دیا کہ مصر جائے اور اتنی تعجیل سے جائے کہ وہ لوگ جو مصر پلٹ کر جا رہے ہیں مصر میں نہ پہونچنے پائیں اتفاق کی بات کہ راہ کا کسی حصہ میں ابو الاعور سے ان لوگوں سے (جنکے باب میں سزائیں تجویز کی گئی تھیں) مڈبھیڑ ہو گئی ان لوگوں نے ابو الاعور سے پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے کہا مصر جا رہا ہوں ابو الاعور کے ساتھ ایک شامی بھی ہو گیا تھا جو خود ان کا شاکی تھا ابو الاعور کو حضرت عثمان کے اونٹ پر دیکھکر ان لوگوں نے پوچھا کہ کوئی خط تمہارے ساتھ ہے ابو الاعور نے کہا نہیں کوئی خط میرے ساتھ نہیں انہوں نے کہا آخر کس کام کیلئے بھیجے گئے ہو ابو الاعور نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں تب انھوں نے کہا کہ تیرے پاس خط ہے نہ تجھے اس بات کا علم ہے کہ تو کس کام کیلئے بھیجا گیا ہے تیرا معاملہ تو شک پیدا کرتا ہے پھر انھوں نے ابو الاعور کی تلاشی لینا شروع کر دی تو ایک خشک پانی کے برتن میں انکو ایک خط ملا خط کو کھولا کر پڑھا تو انہیں نظر آیا کہ بعض سے بعض کے قتل کا حکم ہے بعضوں کیلئے مال کی سزا تجویز کی گئی ہے بعضوں کیلئے جان کی سزا مقرر ہے جب ان چیزوں پر نظر ہوئی انھوں نے (رجوع کیا) یعنی کیا تو وہ مدینہ کی طرف پھر پلٹ پڑے لوگوں کو خبر معلوم ہوئی کہ وہ لوگ پلٹ آئے اور جو راہ میں قصہ گذرا تھا اسکی خبر بھی پھیلی تو سب لوگ ہر افق سے چلے اور مدینہ والوں میں پھر جوش پیدا ہو گیا۔

پھر اسکے بعد ہی طبری نے یہ روایت لکھی ہے۔

حدثنی جعفر قال حدثنا عمرو وعلی قالا حدثنا حسین عن ابیہ عن محمد بن السائب الکلبی قال انما رد اہل مصر الی عثمان بعد انصرافہم عنہ انہ ادرکہم غلام لعثمان علی جمل لہ بصحیفۃ الی امیر مصر ان یقتل بعضہم وان یصلب بعضہم فلما اتوا عثمان قالوا ہذا غلامک قال غلامی انطلق بغیر علمی قالوا جملک قال اخذہ من الدار بغیر امری قالوا خاتمک قال نقش علیہ

سند مذکورہ سے سائب کلبی سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ اہل مصر عثمان سے پلٹ کر پھر اسلئے پلٹ آئے کہ انہوں نے راہ میں عثمان کے غلام کو عثمان کے اونٹ پر عثمان کے خط سمیت پایا جسمیں بعض لوگوں کیلئے سزائے موت تلوار کے ذریعے سے تجویز کی گئی تھی اور بعضوں کی سزائے موت سولی کے ذریعے سے تجویز کی گئی تھی جب وہ عثمان کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ تمہارا ہی غلام ہے تو کہا میرا غلام بغیر میرے علم کے چلا گیا پھر لوگوں نے پوچھا کہ یہ تمہارا ہی اونٹ ہے تو کہا کہ میرا اونٹ بغیر میری اجازت میرے گھر سے لیا گیا کہ یہ انگوٹھی پر تمہاری ہی مہر ہے تو کہا کہ اسکا نقش بنا کر مہر کر لی

آپ ملاحظہ فرمائیے کہ تاریخ میں جھوٹ پھر ارشاد و انکار خط میں جھوٹ پھر حضرت عثمان کے پیر غلام کے جانے میں اونٹ کے لینے میں مہر کے کرنے میں۔ آخر آپ اسے دروغ کہتے ہیں یا تقیہ کچھ فرمائیے یہ حضرت عثمان کے حالات ہیں جو منجملہ خلفائے راشدین ہیں کوئی ادنیٰ معمولی آدمی نہیں ہے اور اگر اسکے سوا کوئی روایت دیکھنا ہو تو وہ بھی حاضر ہے جو اسی کتاب میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

حدثنی جعفر قال حدثنا عمرو وعلی قالا حدثنا حسین عن ابیہ عن محمد بن اسحق ابن یسار المدنی عن یحیی بن عباد عن عبد اللہ بن الزبیر عن ابیہ قال کتب اہل مصر بالسقیا او بذی خشب الی عثمان بکتاب فجاء بہ رجل

خلاصہ کلام زبان اردو میں یہ ہے کہ بسند مذکور زبیر ابن العوام سے روایت ہے کہ مصر والوں نے مقام سقیا یا ذی خشب سے عثمان کو ایک خط لکھا اس خط کو انہیں میں کا ایک آدمی لیکر عثمان کے پاس آیا اور حضرت عثمان نے خط تو دیکھا لیکن اسکا کوئی جواب نہ دیا اور حکم دیا کہ اس نامہ بر کو گھر سے نکال دو حسب الحکم نکال دیا گیا وہ تمام مصری لوگ جو عثمان کا ارادہ کر کے آئے تھے انکی تعداد چھ سو تھی اس تمام جماعت میں چار علم تھے اور چار سردار تھے ہر سردار کے پاس ایک ایک جھنڈا تھا اور تمام سرداری لشکر کی انتہا عمرو بن

فہم حتی دخل بہ علیہ فلم یرد علیہ شیئا فامر بہ فاخرج من الدار وکان اہل مصر الذین ساروا الی عثمان ستمائۃ رجل علی اربعۃ الویۃ لہا رؤوس اربعۃ مع کل رجل منہم لواء وکان جماع امرہم جمیعا الی عمرو بن بدیل بن ورقاء الخزاعی وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والی عبد الرحمن بن عدیس التجیبی فکان فیما کتبوا الیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اما بعد فاعلم ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم فاللہ اللہ ثم اللہ اللہ فانک علی دنیا فاستتم الیہا معہا آخرۃ ولا تلبس نصیبک من الآخرۃ فلا تسوغ لک الدنیا واعلم انا واللہ للہ نغضب وفی اللہ نرضی وانا لن نضع سیوفنا عن عواتقنا حتی تأتینا منک

بدیل بن ورقا الخزاعی اور عبد الرحمن بن عدیس کی جانب تھے اور عمرو بن بدیل جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے ان لوگوں نے جو خط لکھا تھا اسکا یہ مضمون تھا۔ بسم اللہ کے بعد لکھا تھا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت میں تغیر و تبدل نہ کریں دیکھو خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو پھر ہم کہتے ہیں کہ خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو کیونکہ تم دنیا میں ہو آخرت کو بھی اسکے ساتھ ملا دو اور اپنے آخرت کے حصہ کو مت بھولو ورنہ دنیا بھی تمہارے لیے گوارا نہ ہوگی اور یہ بھی جانتے رہو کہ خدا کی قسم ہم خدا ہی کیلئے غضبناک ہوتے ہیں اور خدا ہی کیلئے راضی ہوتے ہیں ہم اپنی تلواروں کو اپنے کاندھوں سے اسوقت تک نہ اتاریں گے جب تک ان دو باتوں میں سے ایک معلوم نہ ہو جائے یا تو یہ معلوم ہو جائے کہ تم اپنی باتوں سے صرف توبہ کی اور جیسا کرتے تھے ویسا نہ کرو گے یا یہ معلوم ہو جائے کہ تم اپنی گمراہی کو کسی طرح نہ چھوڑو گے (ان دونوں باتوں میں جو بات ہو ہمیں صاف صاف معلوم ہو جانا چاہیئے) یہ ہمارا قول ہے اور یہی ہمارا فیصلہ ہے اور خدا ہمارا عذر تمہارے باب میں قبول کریگا۔ والسلام۔ ادھر تو مصریوں نے یوں لکھا اور ادھر مدینہ والوں نے عثمان سے وعدہ کر لیا [illegible] جنگ کی اور قسم کھائی کہ وہ انہیں کسی طرح نہ چھوڑینگے جب تک کہ عثمان [illegible] ورنہ وہ انہیں قتل کر دینگے [illegible] جنگ کی گئی اور عثمان کو اپنی جان کا خوف ہوا تو [illegible] مخلصوں سے مشورہ کیا [illegible] بھی شریک کر لیا ان لوگوں سے حضرت [illegible] گفتگو شروع کی [illegible] کر رہے ہیں وہ تمھے دیکھیں اور دیکھ رہے ہیں [illegible] کار کیا ہے لوگوں [illegible]

توبة عمرو [illegible]
فقال اللهم انك [illegible]
عنده [illegible] والسلام كتب الى
المدينة [illegible]
[illegible]
[illegible]
من حق الله [illegible]
[illegible] فقال [illegible]
القوم [illegible]
اليه ان يرسل الى علي بن ابي طالب
فيطلب اليه ان يردهم [illegible]
[illegible]
فقال ان القوم [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] فقال مروان بن الحكم
يا امير المؤمنين [illegible]
من [illegible]
[illegible]
فاتهم [illegible]
الى علي [illegible]

خلاصی کی کوئی صورت نہ سوجھی اس بات کا مشورہ ہوا کہ حضرت علی بن ابی طالب کو
بلوائیں اور ان سے اس بات کی خواہش کیجیے کہ وہ لوگوں کو آپ سے باز رکھیں
اور وہ ان لوگوں سے انکی مرضی کے موافق وعدہ کر کے انکو ٹال دیں یہاں تک
کہ آپکے اعوان و انصار جمع ہو جائیں حضرت عثمان نے فرمایا کہ اب وہ وقت
نہیں رہا کہ لوگ لیت و لعل سے راضی ہو جائیں اور میرا عہد و پیمان انکی
نظروں میں کچھ وقعت رکھے جب پہلی مرتبہ یہ لوگ آئے تھے تو جو کچھ کیا گیا تھا اب اگر
میں عہد و پیمان کر کے ان سے وعدہ کروں گا تو یہ لوگ مجھ سے وفائے عہد کا
تقاضا کریں گے۔ مروان بن حکم نے کہا یا امیر المومنین ان کے موافق رفتار کرنا یہاں تک
کہ آپکو قوت حاصل ہو اس امر سے بہتر ہے کہ وہ لوگ قریب ہو کر زیادہ ہو جائیں
جائیں لہذا مناسب ہے کہ میری بات کو یہ لوگ مانیں اور انکے موافق دیجائے
اور انکو اس وقت تک ٹالنا چاہیے جب تک وہ ٹل سکیں کیونکہ یہ لوگ باغی ہیں
اور باغیوں سے عہد کی وفا کیسی جب یہ رائے قرار پائی تو عثمان نے حضرت علی کو
بلا بھیجا جب تشریف لائے تو عثمان نے یوں کہنا شروع کیا کہ آپ دیکھتے ہو کہ
ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور یہ بھی آپکے علم میں ہے؟
کہ میں نے ان کے ساتھ کیا کیا اور اب مجھے اپنے قتل ہونے سے اطمینان نہیں ہے
لہذا آپ انکو کسی طرح واپس کر دیں کیونکہ میں خدا کو ضامن دیتا ہوں کہ میں
ہر چیز کو جو انکو ناپسند ہے چھوڑ کر انکو خوش کر دوں گا اور حق انکو میرے ذمہ ہو گا
چاہے وہ میرے نفس سے متعلق ہو یا میرے غیر سے متعلق ہو چاہے اس میں میرا ضرر ہو
چاہے میری جان جاتی رہے حضرت امیر المومنین نے جواب میں فرمایا کہ لوگوں کو
آپکے قتل کر دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ کی عدل و داد کی ضرورت ہے
اور مجھے تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ یہ لوگ جب تک کہ ان کی مرضی کے موافق کام

مرة كان من الناس [illegible]
ولكن [illegible]
على [illegible]
[illegible]
وان [illegible]
[illegible]
فقال [illegible]
الحق [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
من [illegible]
[illegible] فقال الناس [illegible]
[illegible]

نہ کیا جائیگا راضی نہ ہوں گے اور تمہارے پہلے ہی جب یہ لوگ آئے تھے تو ضمانت ہوئی تھی
کہ تم ہر وہ چیز ترک کر دو گے جس سے ان لوگوں کو برا معلوم ہو اور میں اسی بنا پر نے
ان لوگوں کو ہٹا دیا تھا مگر تم نے اپنے عہدوں پر وفا نہ کی اب اس مرتبہ مجھ کو
دھوکہ نہ دینا کیونکہ میں تمہیں اس مرتبہ انکا حق ضرور دلاؤنگا حضرت عثمان نے کہا کہ ہاں
آپ انکو حق ضرور دلوائیں اور خدا کی قسم میں جو کچھ کہ ان کے ساتھ وفا کروں گا
جب امیر المومنین علی نے یہ سنا تو آپ ان لوگوں کے پاس تشریف لائے اور
فرمایا اے لوگو تم تو حق طلب ہو اور حق ہی مانگتے ہو … نہیں
حق دیا گیا ہے کہ عثمان کا خیال … اب تمہارے ساتھ انصاف کرینگے …
انکے نفس سے … متعلق ہو یا انکے غیر سے اور تمام ان باتوں کو چھوڑ دیں گے
جو تمہیں ناپسند ہیں … ان سے قبول کر لو اور … کر دو
[illegible]
[illegible] خدا کی قسم ہم … جب تک کہ …
[illegible] امیر المومنین نے ان سے فرمایا …
اس کے بعد … عثمان کے پاس تشریف … سرگذشت …
[illegible]
دیجئے …
میں … امیر المومنین نے
فرمایا کہ جو … مدینہ کے متعلق … مہلت کی … ضرورت نہیں …
وہ سب …
اتنی مہلت دینی چاہیے … کہا اچھا …
مدینہ ہی میں … تین دن … امیر المومنین نے کہا

لا نرضى بقول دون فعل فقال لهم	اچھا جو ہو سکے آپ لوگوں پاس تشریف لے گئے اور انہیں سے یہ ہم وقت
... ثم دخل عليه فاخبره الخبر	بیان کر دیئے اور آپ نے لوگوں کے درمیان میں اور عثمان کے درمیان میں ایک تحریر
فقال عثمان اضرب بيني وبينهم اجلاً	لکھی جس میں عثمان کو تین دن کی مہلت دی گئی اس امر کے لئے کہ ہر مظلمہ کو واپس
يكون لي فيه مهلة فاني لا اقدر على رد	کر دیجئے اور ہر عامل کو جو قوم کی خوشی کے موافق نہ ہو معزول کر دیجئے پھر حضرت سے
ما كرهوا في يوم واحد فقال له علي ما حضر	بڑے سے بڑا عہد و میثاق جو خدا نے بندوں سے لیا ہو تحریر کیا گیا
بالمدينة فلا اجل فيه وما غاب فاجله	اور تمام مہاجرین و انصار کی اس پر گواہیاں لکھی گئیں اس عہدنامہ کی تحریر کے
وصول امرك قال نعم ولكن اجلني فيما	بعد لوگوں نے حضرت عثمان سے دست کشی کی اور اس توقع کے لیے کہ
بالمدينة ثلاثة ايام قال علي نعم فخرج الى	وہ اس عہد کو پورا کریں لوگ چلے گئے۔ اور پھر تو وہ لوگ بیٹھے اور حضرت
الناس فاخبرهم بذلك وكتب بينهم	عثمان نے جنگ کیلئے تیاری شروع کر دی اور سامان جنگ مہیا کرنا شروع
وبين عثمان كتابا اجله فيه ثلاثا على ان	کر دیا خمس کے حق میں جو غلام ملا کرتے تھے ان کا ایک بڑا لشکر
يرد كل مظلمة ويعزل كل عامل كرهوه	بنایا جب مہلت کے تینوں دن گزر گئے اور حضرت عثمان اپنے حالات پر ثابت
ثم اخذ عليه في الكتاب اعظم ما اخذ الله	قدم رہے نہ کوئی ظلم دفع کیا نہ کسی عامل کو معزول کیا تو سب لوگوں میں
على احد من خلقه من عهد وميثاق	سخت جوش پیدا ہو گیا اور عمرو بن حزم انصاری نے مقام ذی خشب میں
واشهد عليه ناسا من وجوه المهاجرين	آ کر مصر والوں کو صورت واقعہ سے اطلاع دی اور پھر مصر والوں کے ساتھ
والانصار فكف المسلمون عنه و	مدینہ واپس آیا ان لوگوں نے عثمان پاس پیام بھیجا کہ کیا ہم تمہاری طرف
رجعوا الى ان يفي لهم بما اعطاهم من نفسه	کی ... یہاں سے نہیں بھیجے گئے کیا تم نے خدا سے عہد و پیمان نہیں کیا تھا کہ
فجعل يتاهب للقتال ويستعد	ہم اپنے تمام کرتوت چھوڑ دیں گے عثمان نے لکھوا بھیجا کہ ہاں ایسا ضرور
بالسلاح وقد كان اتخذ جندا عظيما	ہوا تھا ... ہم اور لوگوں نے کہا کہ اگر تم اسی عہد و پیمان پر
من رقيق الخمس فلما مضت الايام	قائم ہو تو وہ خط کیسا تھا جو ہم نے تمہارے قاصد کے ساتھ پایا اور جس میں تم نے
الثلاثة وهو على حاله لم يغير شيئا	عامل مصر کے نام لکھا تھا کہ ... وہ خط بھیجا ہے نہ مجھے اس خط کا کوئی علم
مما كرهوه ولم يعزل عاملا ثار به	ہے لوگوں نے کہا کہ تمہارا قاصد تمہارے اونٹ پر اس خط کو لیکر پہنچا

الناس فخرج عمرو بن حزم الانصاري حتى اتى المصريين	کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور اس پر تمہاری مہر
وهم بذي خشب فاخبرهم الخبر وسار معهم حتى قدموا المدينة	موجود ہے اس خط ... عبارت کے جواب میں
فارسلوا الى عثمان الم نفارقك على انك زعمت انك تائب	حضرت عثمان نے بیان فرمایا کہ وہ اونٹ میرا چوری ہو گیا
من احداثك وراجع عما كرهنا منك واعطيتنا على ذلك	ہے رہا خط تو ممکن ہے کہ کسی کاتب نے جس کا
عهد الله وميثاقه قال بلى انا على ذلك قالوا فما هذا الكتاب	خط میرے کاتب کے خط کے مشابہ ہو لکھا ہو کیونکہ
الذي وجدنا مع رسولك وكتبت به الى عاملك قال ما فعلت	ایک خط دوسرے خط کے مشابہ ہو سکتا ہے رہ گئی مہر
ولا لي علم بما تقولون قالوا بريدك على جملك وكتاب كاتبك	سو ممکن ہے کہ وہ بنا لی گئی ہو لوگوں نے ان سے کہا
عليه خاتمك قال اما الجمل فمسروق وقد يشبه الخط الخط	کہ ایسے اہم معاملہ میں ... اگر تمہاری باتوں کا اتہام
واما الخاتم فانتقش عليه قالوا فانا لا نتهمك ...	قائم ہو چکا ہے تم فاسق عاملوں کو معزول کر دو اور
... عن عملنا كل فاسق واستعمل علينا من لا يتهم	ان لوگوں کو منصوب کرو جو ہماری جان و مال کی
على دمائنا واموالنا واردد علينا مظالمنا قال عثمان	حفاظت میں مشکوک نہ ہوں اور ہمارے مظالم کو
ما اراني اذا في شيء ان كنت استعمل من هويتم واعزل	واپس ... تو عثمان نے کہا کہ پھر میں تو کچھ رہا ہی
من كرهتم الامر اذا امركم۔	نہیں جب میں تمہاری مرضی کے موافق عزل و
	نصب کروں۔

(اب جبکہ) اب مورخ انجم شمار کرے کہ کتنے جھوٹ استعمال کئے گئے اور صرف چند دنوں ہی سے نہیں بلکہ خدا سے عہد کرکے ہو سکے گئے بعض باتیں بالکل جا مزدوری ہو سکے گئے قتل کا اندیشہ بھی جو ... میں تھا سعدی میں ہرگز نہ تھا لیکن ... اسکا نام ہے کہ عہد و میثاق سب ... دیکھتے رہے لیکن حضرت خلافت مآب نے ہرگز ... کو قابل عمل نہ سمجھا یہاں تک کے انجام کار جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا۔ اچھا اب آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ یہ آپکے عوام کا فعل نہ تھا بلکہ ایک خلیفہ راشد کا فعل تھا جسکی اطاعت بہر حال آپکو واجب ہے کیونکہ اصول ہی اس قسم کے مسلم ہو چکے ہیں جس سے آپ مجبور ہیں پھر حضرت عثمان کے اس رویہ کو دیکھتے ہوئے آپ انکے کسی قول کا اعتبار فرما سکتے ہیں۔ یا اور پھر بقول آپکے دروغ بہ مصلحت جو بدترین قسم ہے اسکا ارتکاب کیا کیونکہ جان بچانے کیلئے

حکایت ساختی میں سچائی کی ضرورت تھی نہ جھوٹ کی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں اگر جھوٹ بولنے کو بوقت ضرورت شدید جائز کہا جائے تو اس میں عقلاً اور عرفاً چنداں قباحت نہیں کیونکہ جائز کو جائز ہی کہہ سکتے ہیں جیسے کہ نفلیں ثواب میں فرض کی طرح نہیں مگر جب جائز سے ترقی کر کے اسکو فرض و واجب کہا جائے اس کو عبادت کہا جائے تو عقل سلیم کبھی پسند نہیں کر سکتی۔

مدیر صاحب نے لفظ چنداں پر ایک حاشیہ بھی دیا ہے اسکے الفاظ یہ ہیں " یعنی عوام کے لیے بضرورت شدیدہ کے وقت میں جھوٹ بولنا معیوب نہیں خواص کے لیے اس وقت میں بھی معیوب ہے "
اس عبارت کو دیکھکر مجھے اس بات کا موقع ملتا ہے کہ حضرت عثمان جو مذہب اہلسنت کے رئیس ہیں وہ مدیر کی نظر میں عوام میں داخل تھے یا خواص میں۔ اگر عوام میں داخل تھے تو انکو بضرورت جھوٹ بولنا نظر مدیر میں جائز تھا مگر انھوں نے بلا ضرورت ارتکاب کذب فرمایا اور اگر وہ خواص میں سے تھے تو کسی طرح بھی انکو کذب جائز نہ تھا پھر جب آپکے رسالہ آپکے راویوں کی حکایت کی بنا پر اس جرم شنیع میں مبتلا ہوں تو آپ کسی مذہب والے کے سامنے اس طرح کی بیجا تقریریں کیوں کرتے ہیں

ایک صعب طلب و منزل

اس امر سے خوش ہوں کہ تقیہ پر ہنسنے والا اسکے جواز کو اس مضمون میں تجویز کرتا ہے وہ عوام ہی کیلیے سہی مگر خیر تقیہ اسکی نظر میں کوئی چیز تو ثابت ہوا اب وجوب کا کہنا اور تقیہ کا عبادت ہونا اسکا سمجھا دینا میرا کام ہے لہذا ناظرین میرے الفاظ کی طرف ہمہ تن گوش ہو جائیں اگر مدیر کی سمجھ میں میری باتیں نہ آئیں گی تو بہت سے انصاف پسند ہیں جو وہ منہ چھپاتے ہوں یا یہ اخبارات عالم میں موجود ہیں جو داد انصاف دے سکتے ہیں۔

میں اپنے اس بیان میں ایک خاص شخص سے جو اپنے کو بڑا مناظر اور بڑا متکلم سمجھتا ہے اور اسکے دل میں اس بات کی حسرت ہے کہ وہ حضرات اہلسنت میں رئیس مذہب تسلیم کیا جائے کو مخاطب کرتا ہوں اور اسی سے اسوقت میرا مخاطبہ ہے یعنی جناب مولوی عبدالشکور صاحب مدیر النجم "
اگر جناب کی پیدائش مقدم ہوتی اور تقدیر نے آپکو پیدا کر کے صبح شب ہجرت غار ثور کے کنارے کھڑا کر دیا ہوتا اور غار میں خلاصہ موجودات کا قیام ہوتا اور حضرت ابوبکر بھی اپنے حزن سمیت غار میں موجود

ہوتے اور آنحضرت کے دشمن اور جانثار ان دشمن پیغمبر کو ڈھونڈتے ہوئے آتے اور آپ نے پیغمبر اور انکے رہنمائے اول کو غار میں جاتے ہوئے دیکھا ہوتا اور وہ آپسے پوچھتے کہ تم بتاؤ غار میں محمد کہیں ہیں اور ہجرت کرنے والا ہے یا نہیں اور آپکا یہ کہ کبوتران صحرائی اپنی بود و باش سے قصد وجود پیغمبر کو جھٹلاتے ہوتے اور کمزور مکڑی کا جالا دشمنوں کی آنکھ کا جالا ہو رہا تھا تو آپ دشمنوں کے سوال کے وقت کیا جواب دیتے پیغمبر کے غار میں ہونیکی تصدیق فرماتے یا کہدیتے نہیں دیکھا یا کہتے کہ مجھے معلوم نہیں اگر جناب اپنی سچائی کے دھن میں کہیں یہ کہدیتے کہ جی ہاں اسی غار میں ہیں بچشم خود جاتے ہوئے دیکھا ہے تو قتل پیغمبر کا بار آپکے سر مبارک پر ایک ناگوار صورت میں رہتا جو بعض اور عوام کے داغوں سے کہیں زیادہ بدنما ہوتا اور اگر آپ فرماتے کہ مجھے نہیں معلوم جب بھی آپ انکو تفحص و تفتیش کا موقع دیتے ضرور آپ کو یہ کہنا پڑتا کہ وہ اس غار میں نہیں ہیں تاکہ آپ کبوتر اور مکڑی سے کم نہ نکلیں اور اعداء خدا میں آپ کا شمار نہ ہو اور آپ اعدائے قاتل کو یہ بات معلوم ہے کہ ایسا کہنا کہ اس غار میں نہیں ہیں کذب صریح ہوتا اور آپ اگر محبت خدا و رسول رکھتے تھی تو اس ارتکاب سے بچ نہیں سکتے تھے اب فرمائیے کہ ایسے وقت میں یہ کذب صریح آپ پر واجب ہوتا یا جائز اگر آپ جائز فرمائیں گے تو سچے واقعات کا بیان کرنا بھی جائز ہوگا یعنی قتل رسول کا راستہ بتانا بھی جائز ہوتا اور اسکو جائز کہنا شاید آپ ہی کا کام ہے اگر آپ جرأت کر سکیں تو کہئے۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ آپ تو کیا مدعیان اسلام کی کوئی فرد بھی اسوقت راست گوئی کو جائز نہیں کہہ سکتی پھر جب ایسے وقت میں راست گوئی حرام تھی تو دروغ گوئی واجب ہوئی یا نہیں اب اگر آپ اس مواخذہ سے بھاگ سکتے ہوں تو بھاگئے ولات الفرار۔ اور آپ عوام میں سے تو اپنے کو گنتے نہ ہونگے تاکہ انکے لیے تقیہ کا جواز تجویز کرتے آپ تو خواص میں سے ہیں اور آپ ہی پر تقیہ بدرجہ اولیٰ واجب ہو جاتا پھر چونکہ آپ طرفداری خدا اور رسول کی ہوتی اسلیے جتنا بھی ثواب جناب باری سے مرحمت فرماتا وہ کم تھا کیونکہ آیہ کریمہ قرآنیہ

من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل انہ	اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو کوئی شخص کسی نفس کو
من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض	بغیر انتقام النفس یا بغیر کسی فساد ارضی کے قتل کر دے تو وہ

فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔ | ایسا ہے جیسے اس نے تمام بنی نوع انسان کو قتل کر دیا ہو اور جو شخص کسی کی نفس کو زندہ کرلے وہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام لوگوں کو زندہ کر دیا ہے

جب یہ فیصلہ معمولی نفوس کے متعلق خدا نے قرار دیا ہے تو خاتم المرسلین کے نفس مبارک کے بچاؤ کی ترکیب کر دینا کسقدر موجب اجر ہوتا اور کتنی بڑی عبادت ہوتی اتنی ہی سے غبی پر یہ امر منکشف ہو گیا ہوگا کہ تقیہ کبھی واجب ہو جاتا ہے اور بڑی سے بڑی عبادت کی صورت میں ہوتا ہے جسکے ثواب کی کوئی انتہا متصور نہیں ہوتی۔ مگر مجھے امید نہیں کہ وہ چاہے اس نکتہ صریح کو سمجھے کیونکہ اس نے اپنے آگے ان لوگوں کو کر رکھا ہے جنہوں نے کبھی قتل نبی کے سامنے لانے میں دریغ نہیں کیا چنانچہ میدان جنگ احد آیت قرآنی ہست جو اس موقع کے عظیم القدر گواہ ہیں اس مطلب پر شاہد ہے لوگ المیدان سے آڑ سے نرغے میں ہو کر وحشت بالعین نکل گئے اور ایک جماعت پہاڑ کی چوٹی پر اتنے بلند ہو کر بیٹھے باطمینان تمام بیٹھے رہے اور میدان جنگ میں پیغمبر عظیم مصیبت میں مبتلا تھا جبیر دندان مبارک کا شہید ہو جانا اور رخسار مبارک کا لہو سے رنگین ہو جانا ایک غیر قابل رد گواہ ہے۔ وہ جو شب ہجرت بستر پر گیا تھا وہی احد کے پہاڑ میدان میں بھی سپر تھا جسکو مدیر نظام مرتب خلافت میں سب سے بعد قرار دیتا ہے۔ من کان ناکل العقل فلیتخ ومن کان بابائی علی نظم نیبک۔

اب جو عقل پر رونا چاہے وہ روے اور جو عمر کے وفات پر سنت ماتم بجانا چاہے تو رونے کا موقع سامنے ہے یہ ایک موقع تھا جہاں ہم نے عقلی حیثیت سے تقیہ کا وجوب اور اسکا عبادت ہونا ثابت کیا اب اگر علمائے اہلسنت کے تصریحات اور قرآن مجید کے دلائل کو نقل کروں تو دفاب قلم سے حسن کیلیے اور اسکے وجوب کیلیے ارباب انصاف کے نزدیک کافی ہوگا مدیر سے مجھے اس بات کی کم امید ہے کہ وہ قرآنی استدلال کو تسلیم کرے کیونکہ وہ تو عدم تحریف کا مدعی ہے لیکن پانی منزل میں قرآن کے مواقف اسکی رفتار مشتبہ ہے شیعہ کلام میں کچھ قول علمائے حضرت اہلسنت گزرے جنہوں نے کذب ہی کی اجازت دی تھی بلکہ موافقت کے بجائے مخالفت مخدوم سطر میں بھی تجویز کی تھی۔ اور نے جب بھی جانا تھا فراج۔ فی تہذیب الکمال فی معرفۃ الرجال الذی ہو مہذب الکمال فی معرفۃ الرجال عبد الغنی المقدسی قال محمد بن موسی الحرسی حدثنا یاسر بن صبیحۃ قال حدثنا عظمۃ جہاب عن

یونس بن عبید قال سألت الحسن قلت یا ابا سعید انک تقول قال رسول اللہ وانک لم تدرکہ قال یا ابن اخی لقد سألتنی عن شئ ما سألنی عنہ احد قبلک ولولا منزلتک منی ما اخبرتک انی فی زمان کما تری وکان فی عمل الحجاج کل شئ سمعتنی اقولہ قال رسول اللہ فہو عن علی بن ابیطالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا۔ جناب علامہ سمی من الالقاب وملا رصاف جناب مفتی محمد قلی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنے رسالہ تقیہ میں فخرالدین دہلوی کی عبارت نقل فرمائی ہے جو اوپر مذکور ہوئی اسمیں مذکور ہے کہ تہذیب کمال جو کمال فی معرفۃ الرجال کا مہذب ہے جو عبد الغنی مقدسی کی تصنیف ہے یہ روایت مرقوم ہے جسے بسلسلہ مذکور یونس بن عبید سے نقل کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا کہ اے ابو سعید تم کو میں حدیث بیان کرنے میں سنا کہ تم کہتے ہو کہ رسول اللہ نے کہا حالانکہ تم نے حضور جناب رسالتماب نہیں پایا پھر تم کیونکر حضرت کی طرف قول کو منسوب کرتے ہو حسن نے کہا کہ اے میرے بھتیجے تم نے وہ بات مجھ سے پوچھی جو کسی نے آج تک مجھ سے نہیں پوچھی تھی اور اگر تمہاری قدر میرے نزدیک نہ ہوتی تو میں ہرگز تمہیں نہ بتاتا میں اس زمانہ میں ہوں جو تمہیں معلوم ہے کہ کیسا زمانہ ہے اور اس وقت حجاج بن یوسف کے عمل کا تھا تم ہر حدیث جو میں رسول اللہ کی طرف منسوب کرتا ہوں اور تم اسے سنو تو تم اسے سمجھ لو کہ میں جناب علی بن ابیطالب سے روایت کرتا ہوں سمجھ لیکہ میں اس زمانہ میں ہوں جس زمانہ میں میں علی کا نام نہیں لے سکتا منہ نہیں لیتا۔

اس نقل سے صاف روشن و آشکار ہے کہ حسن بصری نہ صرف تقیہ کا قائل تھا بلکہ وہ تقیہ کا فاعل تھا اور اگر وہ اسے واجب نہ سمجھتا تو کبھی کبھی ترک بھی کرتا لیکن اس سے ترک نہیں کیا بلکہ اسکا علامت مقرر کر لیا اس تقیہ استمراری کا ثبوت ہے۔ اس روایت میں ایک نکتہ مفیدہ مستور ہے میں چاہتا ہوں کہ ناظرین رسالہ مبارکہ سبیل اور خود مدیر النجم نے اگر اسکا تعصب کے عمل سے ملتفت ہونے دی تو وہ اس اہم مطلب کی طرف التفات فرمائیں یہ حجاج کا زمانہ حکومت تھا جسمیں حسن بصری مبتلائے بلائے تقیہ تھے۔ اور یہ سلطنت عبد الملک کا دور تھا اور عبد الملک وہ شخص تھا جسکے متعلق سراج الملوک میں ابوبکر بن محمد بن الولید نے لکھا ہے حدثنا ... عن عبد الملک بن مروان انہ لما ولی الخلافۃ اخذ مصحف فوضعہ فی حجرہ ثم قال ہذا فراق

یعنی دمشق تک۔ ابنِ عبد الملک بن مروان سے اس امر کی روایت کی گئی ہے کہ جب عبد الملک کی نوبت خلافت پہونچی تو اسنے قرآن کو لیکر اپنی گود میں رکھا پھر قرآن سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب میرے تیرے جدائی کا وقت آ گیا۔ سراج الملوک صفحہ ۲۴۹ مطبوعہ مصر۔

ذرا خلافت کی عظمت دیکھو اسکا وقتا ما سلامی مافوق میں اس حد تک پہونچ گیا تھا کہ خلفاء اسبات کا یقین رکھتے تھے کہ خلافت قرآن کی حکومت سے آزاد ہے اور خلیفہ کیلیے قرآن نہیں اترا ورنہ وہ اسکا محکوم ہو سکتا ہے یہ سلسلہ فہم عبد الملک تک وہ انتہا یار واقع پہونچا ہوگا بہر حال وہ خلافت کے وقت قرآن کو رخصت کر رہا ہے اور یہ مسلمان ہے یہ ایک ملاحظہ کی قول تھا جو یہنے نقل کر دیا اگر میں اس مذاق کو لیکر کہتے بڑھوں گا تو لوگوں کے چشم و ابرو پر بل پڑنے لگینگے اور لعنت سخن میں فرق آ جائیگا۔ بہرحال عبد الملک و ولید حجاج کی خونریزی ظلم پر کر بیٹے کی بل تھی اسکی خیر یہی کا کیا کہنا حجاج اپنے ظلم و ستم میں عبد الملک کا آئینہ صورت نما تھا لیں اتنا ہی اسے سمجھ لینے کیلیے کافی ہے کہ امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ کا ذکر خیر بہت نہیں ہی مجھے غیر منظور تھا جو خیر جان سے انسان کو چھوڑنی تھا پھر اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال میں رہے کہ جب قرآن چھوڑ دیا جائے تو قرآن کے ساتھی سے اتصال کیونکر گوارا کیا جائے واقعاً قرآن مجید عجیب آیت روشن ہے جس نے کسی چیز کو بغیر ذکر چھوڑا نہیں چنانچہ مفارقت قرآن کا بھی تذکرہ موجود ہے اور کس انداز سے اسکے سلسلے میں اپنے ضمیمی خبر کو اس نقل سے متصل کر کے نبوت رسالتمآب پر قرآن کی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ یا بندہ پانچ رکوع اول سورۂ فرقان میں ہے۔ و یوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا یویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا لقد اضلنی عن الذکر بعد اذ جاءنی وکان الشیطان للانسان خذولا وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ہذا القرآن مہجورا وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین وکفی بربک ہادیا ونصیرا۔ یہ اسدن کا قصہ ہے جو کہ قریب بہ قیامت دن ہوگا اور مفسدین ظالم اپنے ہاتھوں کو یہ کہتا ہوا کاٹیگا کہ کاش میں پیغمبر والا راستہ اختیار کرتا افسوس کہ میں فلاں شخص کو کیا دوست نہ قرار دیتا اسنے تو مجھے گمراہ کر دیا ذکر سے جدا کر کے کہ وہ میرے پاس آیا اور

لہ [illegible]

شیطان یہی ہے انسان کو رسوا کرنے والا چھوڑ دینے والا اور رسول یہ کہیگا کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا یونہی ہمنے ہر پیغمبر کیلیے مجرموں میں سے دشمن قرار دیا ہے اور تیرا رب ہدایت اور مدد کیلیے کافی ہے) یہ قرآن کے چھوڑ دینے کی شکایت پیشگاہ باری میں پیش ہونا عبد الملک کے خلافت سے بہت پہلے قرآن میں نازل ہو چکا لیکن لوگ اسکو مجاز بلا حقیقت سمجھا کئے مگر اب امید ہے کہ اس نقل کے بعد یہ بالکل حقیقی بات بھی جائے۔

مختصر یہ ہے کہ اس قسم کے دور میں اگر علی کی دشمنی ابلیس و اجب بھی جائے جیسا کہ حسن بصری کے کلام میں اس کا پتا ملتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ وہ دشمنی قرآن کا زمانہ تھا پھر جب نام لینے کی وجہ سے اور لوگوں سے دشمنی ہو جاتی ہو اور انکو تقیہ کرنا پڑتا ہو تو جنابِ کے خاص ہونا امیر المومنین پر کیسا برا وقت ہوگا اور انکو کس قدر تقیہ کی ضرورت ہوتی ہوگی لیکن مرد انجم تقیہ کے نام سے خفا ہوتا ہے اسکی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ نقطہ تقیہ داستان ہو خلفاء کو دو ہرا دیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ یہ قصے دفن ہو جائیں مگر ہم اور ہمارے دشمن جب دونوں ان قصوں پر متفق ہوں تو یہ باتیں کیونکر مخفی ہو سکتی ہیں۔

امیر المومنین کی ایک بہترین فضیلت

روایت حسن بصری سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ بجائے امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نام نامی رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ دیا کرتا تھا جبکہ تقیہ سے امیر المومنین کا نام لینے کی اجازت نہ تھی ورنہ وہ نام دیتا لیکن بجائے جناب رسالتمآب کے کسی اور شخص کا نام لے سکتا تھا جس کی وہ پیغمبر پر افترا کرنے سے بچ جاتا اگر کوئی شخص حسن بصری کے اس فعل پر غور کرے تو اسے اس تبدیلی اسم میں نہایت حسن و خوبی نظر آئیگی اور جس قدر اس حسن تغیر میں حسن نظر آئیگا اتنا ہی فضیلت امیر المومنین سے حجاب اٹھتا جائیگا بات یہی کہ حسن بصری کو قول امیر المومنین پر اتنا ہی وثوق تھا جتنا پیغمبر کے زبان کی کہی ہوئی بات پر ہو سکتا تھا لہذا آپ کسی بات کے سننے کو وہ ایسا ہی سمجھتا تھا جیسا کہ اسنے خود رسول اللہ سے سنا اور یہاں وہ ایک کے نام کی جگہ دوسرے کا نام لے آتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری بھی آپ کو معصوم اور منزل منزلۃ الرسول سمجھتا تھا جیسا کہ تمام فرقہ معتزلہ کا بھی خیال ہے جسکی

تصریح اپنی کتاب میں جا بجا ابن ابی الحدید معتزلی سنی کی ہے۔ بہرحال حسن بصری کو اہلسنت پیشوا سمجھتے ہیں اور غالباً مولوی عبدالشکور صاحب بھی اسے مذموم نہ سمجھتے ہوں گے۔ وہ تقیہ کرتا تھا اور یوں اس نے اسی تقیہ میں اپنی زندگی بسر کی۔

امام غزالی کا فتویٰ

کتاب احیاء العلوم میں ہے ومن سعی وقاتل من الاولیاء اللہ مستقرہ وقد اختفی من ظالم وسئل عن محلہ فوجب تنبیہہ لی وجب الکذب

غیر حصول ترجمہ یہ ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی خدا کے دوست کا اسلئے تعاقب کرے کہ وہ اسے قتل کر دے اور وہ خدا کا دوست کہیں محفوظ مقام میں چھپ رہے اور اسکا پتا کسی کو معلوم ہو تو اسے ہرگز اسکا پتہ بتانا نہ چاہیے بلکہ اس میں جھوٹ بولنا واجب ہے۔

افسوس ہے کہ صاحب احیاء نے بھی جھوٹ کو واجب کیا جو مولوی عبدالشکور صاحب کی چڑ ہے وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ انکے دل کی منشا تو اسی میں ہے کہ تمام اولیاء اللہ قتل ہو جائیں بزم دنیا کے بارونق ہونے کیلئے صرف دنیا کے بندوں کا وجود کافی ہے۔

امام زہری کا قول

توضیح حاشیہ توضیح میں ہے قال الامام الزہری ان الفعل المکرہ علیہ حرام کالقتل والزنا و فرض کشرب الخمر واکل المیتۃ و رخص لہ کاجراء کلمۃ الکفر والافطار واتلاف مال الغیر۔

وہ فرماتے ہیں کہ مجبوری کا کام کئی طرح ہوتا ہے کبھی تو حرام ہوتا ہے جیسے قتل اور زنا اور کبھی واجب ہوتا ہے جیسے شراب پینا اور مردار کا کھانا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسے مجبور کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اس کام کو کرے جیسے کلمہ کفر کا زبان پر جاری کرنا روزہ توڑنا یا غیر کا مال تلف کر دینا۔

دیکھئے آپ جھوٹ ہی کو رو رہے تھے وہاں تقلید مذہب کے بموجب شراب خوری واجب اور کلمہ کفر کا جاری کرنا مرخص ہو گیا۔

امام فخرالدین رازی کی رائے

تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی میں ہے التقیۃ جائزۃ لصون النفس وہل ہی جائزۃ لصون المال یحتمل ان یحکم

فرماتے ہیں کہ تقیہ تو جان بچانے کیلئے ضروری ہی جائز ہو گیا۔ یہ امر کہ مال کے بچانے کیلئے بھی تقیہ جائز ہے یا نہیں اسکے

الحکم فیہا بالجواز لقولہ علیہ السلام حرمۃ مال المسلم کحرمۃ دمہ ولقولہ علیہ الصلوۃ والسلام من قتل دون مالہ فہو شہید ولان الحاجۃ الی المال شدیدۃ والماء اذا بیع بالغبن سقط فرض الوضوء وجاز الاقتصار علی التیمم دفعا لذلک القدر من نقصان المال فکیف لا یجوز ہہنا۔

جائز ہونے کا بھی احتمال ہے کیونکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ مال مسلم ویسا ہی محترم ہے جیسی اسکی جان محترم ہے اور اسلئے بھی کہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے اور اسلئے بھی کہ مال کی جانب احتیاج نہایت شدید ہے اور پانی اگر زیادہ قیمت کو بکے یعنی گراں فروخت کیا جائے تو وضو واجب ساقط ہو جاتا ہے اور صرف تیمم پر اکتفا جائز ہوگا اسلئے کہ نقصان مال سے تو بچنا ہے تو پھر مال بچانے کے لئے تقیہ جائز ہوگا۔

نیز اسی تفسیر کبیر میں ہے وروی عن الحسن انہ قال التقیۃ جائزۃ للمومنین الی یوم القیامۃ وہذا القول اولی لان دفع الضرر عن النفس واجب بقدر الامکان

یعنی حضرت حسن بصری سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ تقیہ مومنین کیلئے روز قیامت تک جائز ہے امام فرماتے ہیں یہی قول اولیٰ ہے کیونکہ جان سے ضرر کا دفع کرنا بقدر امکان واجب ہے۔

تنبیہ بیان ناظرین کو معلوم رہے کہ احکام تکلیفی مباح و مکروہ و مستحب و واجب و حرام ہیں اس تقسیم میں مباح مقابل واجب ہے اور کبھی واجب کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور ایک وہ اباحت یعنی جواز ہے جو مباح اور مستحب و واجب کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے وہ ان احکام کا مقابل نہیں بلکہ وہ ان تینوں چاروں میں معنی مشترک ہیں چونکہ امام فخرالدین رازی نے پہلے قول میں بیان کیا ہے کہ تقیہ جان بچانے کیلئے جائز ہے اور نقل قول حسن بصری کے بعد انہوں نے دلیل بیان کی ہے جو تقیہ کو واجب کرتی ہے اسلئے پہلے قول میں بھی انکے جائز سے واجب ہی مراد ہو سکتی ہے۔

ابن حجر کا معقول تقیہ کے بارے میں

فتح الباری میں فرمایا ہے وقد اجمع الفقہاء علی وجوب طاعۃ السلطان المتغلب والجہاد

یعنی فقہائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ سلطان ظالم کی اطاعت واجب ہے بلکہ اسکے ساتھ جہاد کرنا واجب ہے اور اسکی اطاعت

معه وان لا احب خير من الخروج عليه لاني اكره ... من حقن الدماء وتسكين الدهماء۔

اس پر خروج کرنے سے بہتر ہے کہ اس کی بیعت میں ... جانوں کی حفاظت اور خونریزی کا انسداد ہو اور ...

ان کلمات سے صاف روشن و آشکار ہے کہ تقیہ کا وجوب اجماعی ہے بلکہ سچ اگر انصاف پوچھو تو ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ یہ اجماع اس اجماع سے کہیں زیادہ قوی ہے جو حضرت ابو بکر کے خلیفہ ہونے پر بقول شیخ منعقد ہوا تھا افسوس ہے کہ ہمارے مخاطب مولوی عبد الشکور صاحب کا انکار اس اجماع قوی کے مقابلہ میں ہے لیکن اس اجماع ضعیف پر ایمان قائم ہے۔

صحابہ و تابعین نے تقیہ کیا

تہذیب الکمال میں ہے۔ قال الاعمش عن عبد الملك بن ميسرة عن النزال بن سبرة قال كنا مع حذيفة فقال له عثمان يا ابا عبد الله ما الذي بلغني عنك قال ما قلته قال عثمان انك اصدقهم وابرهم فلما خرج قلت يا ابا عبد الله الم تقل ما قلته قال بلى ولكني اشتري ديني بعضه ببعض مخافة ان يذهب كله انتهى۔

اعمش نے سلسلۂ مذکورہ سے روایت کی ہے کہ ہم حذیفہ کے ساتھ تھے عثمان نے حذیفہ سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ یہ کیا خبریں تمہاری نسبت مجھے پہنچتی ہیں حذیفہ نے کہا کہ قسم خدا کی میں نے یہ باتیں نہیں کہیں عثمان نے کہا کہ تم ان سب سے زیادہ سچے ہو اور زیادہ حقوق کا خیال کرنے والے ہو جب حذیفہ وہاں سے چلے گئے تو میں نے کہا کہ حذیفہ سے کہا کیا تم نے یہ باتیں نہیں کہیں حذیفہ نے کہا کہ ہاں کہی تھیں لیکن میں اپنے دین کے بعض حصے سے بعض کو خریدتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں کل نہ جاتا رہے۔

ابن عباس نے تقیہ کیا

فرائض شریفی میں ہے اول من حكم بالعول عمر لما وقع في عهده صورة ضاق مخرجها عن فروضها فشاور الصحابة فيها فاشار العباس الى العول فقال اعيلوا الفرائض فتابعوه على ذلك ولم ينكره

یعنی پہلا وہ شخص جس نے عول کا حکم دیا وہ حضرت عمر تھے کیونکہ ایک ایسا مسئلہ پیش ہوا تھا جس میں تمام حصے نکل نہ سکتے تھے عمر نے صحابہ سے مشورہ کیا تو عباس نے عول (نقصان) کا اشارہ کیا عمر نے کہا کہ اس کے موافق حکم دو یعنی تمام صاحبان میراث پر نقصان ڈالا جائے لوگوں نے اس حکم کی پیروی کی اور کسی نے

احدا الا ابنه بعد موت عمر فقيل له هلا ذكرت في زمن عمر قال هبته وكان مهيبا الى ان قال ... حتى نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين ان الذي احصى رمل عالج عددا لم يجعل في مال نصفين ونصفا وثلثا انتهى

بھی اس سے انکار نہ کیا لیکن جب عمر نے انتقال کیا تو عباس کے بیٹے نے یعنی ابن عباس نے اس سے انکار کیا لوگوں نے کہا کہ عمر کے زمانے میں کیوں نہ انکار کیا کہا کہ مجھے ان سے خوف معلوم ہوا اور وہ ایک ہیبت والے آدمی تھے ... یہاں تک پہنچے کہ ابن عباس نے کہا کہ اچھا ہمارے مخالفین کیوں نہیں جمع ہوتے تاکہ ہم مباہلہ کر کے جھوٹوں پر لعنت خدا کی قرار دیں یقیناً وہ شخص جس کو ریگ عالج کا شمار معلوم ہے اس نے کسی مال میں دو نصف اور ایک ثلث نہیں قرار دیا انصاف ہے کہ دو نصف میں مال پورا ہو جائیگا اب یہ ثلث کہاں سے آئیگا۔

اور کتاب التحقیق شرح مختصر ابن الحاجب میں اسباب کے بیان میں کہ اجماع سکوت سے ثابت نہیں ہوتا مرقوم ہے۔

وداود الظاهري وبعض المعتزلة قالوا لا يكون السكوت حجة لجواز التقية كما قال ابن عباس لما اظهر قوله في العول ... هلا قلت في زمن عمر فقال كان رجلا مهيبا فهبته ... وفي رواية خشيت من ذلك ...

یعنی داؤد ظاہری اور بعض معتزلہ اس مطلب کے قائل ہیں کہ اجماع سکوتی سے ثابت نہیں ہوتا اسواسطے کہ ممکن ہے کہ سکوت بھی ہیبت اور تقیہ کے وجہ سے ہو جیسا کہ جب ابن عباس نے عول کا انکار کیا تو لوگوں نے کہا کہ اس قول کو عمر کے وقت میں کیوں نہ ظاہر کیا کیونکہ عمر عول کے قائل تھے ابن عباس نے کہا میں انہیں ڈرا اور وہ ایک ہیبت آدمی تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے اس قول کے ظاہر کرنے سے ان کے دبدبہ نے روکا۔

ایک دوسرا قول

کنز العمال ... میں ہے عن تاریخ ابن ... رجل سأل ابن عمر عن متعة النساء فقال حرام فقال ان ابن عباس يفتي بها

تاریخ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ابن عمر سے متعہ کے متعلق پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ حرام ہے اس سائل نے کہا کہ ابن عباس اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں ابن عمر نے کہا کہ ابن عباس نے عمر کے زمانہ

فقال ابن عمر الا ترى مرجم ابا ابن عباس في زمن عمر لا خذ فيها احد رجم انتهى۔	یعنی ابن عمر نے کہا کیوں نہ دیا اگر کوئی عمر کے زمانہ میں بیان کرتا تو وہ اسے سنگسار کر دیتے۔ ابن عمر کا قول ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنگسار کر دیتے اور ابن عباس کے فتوٰی متعہ سے صاف ظاہر ہے کہ ابن عباس تقیہ سے ابن عباس کو روکا۔

اور جب ابن عباس ایسے رنگ مخالفت سے خوف کرتے تھے تو اوروں کا حال بھی اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ یہیں سے امام فخر الدین رازی کے قول کی کمزوری معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے تفسیر کبیر میں بحث متعہ میں کہا ہے کہ حضرت عمر نے متعہ کو حرام کیا اگر وہ جائز ہوتا اور پھر وہ حرام کرتے تو یا کفر عمر لازم آتا یا کفر صحابہ اس لئے کہ عمر کے حرام کرنے کی مخالفت نہیں کی۔ شق اول کے متعلق تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن شق دوم میں صحابہ کے سکوت کا عذر درہ کو دیکھتے ہوئے صاف واضح ہو سکتا ہے کیونکہ جب ہیبت تھی اور درہ کا ڈر تھا تو کفر کا ہے کو لازم آئیگا۔

ابن عمر نے تقیہ کیا

مشکوۃ میں ہے عن ابن عمر قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنی رکعتین وابوبکر بعدہ وعمر بعد ابی بکر وعثمٰن صدرا من خلافتہ ثم ان عثمٰن صلی بعد اربعا فکان ابن عمر اذا صلی مع الامام صلی اربعا واذا صلاھا وحدہ صلی رکعتین متفق علیہ۔	یعنی ابن عمر سے روایت کی گئی ہے وہ کہتے تھے کہ رسول نے منی میں دو رکعتیں نماز کی پڑھیں پیغمبر کے بعد ابوبکر نے بھی ایسا ہی کیا اور ابوبکر کے بعد عمر نے بھی ایسا ہی کیا لیکن جب عثمان کا دور ہوا تو شروع خلافت میں انھوں نے بھی ویسا ہی کیا لیکن بعد میں انھوں نے دو رکعتیں اور بڑھا کر چار رکعتیں پڑھیں۔ ابن عمر جب امام کے ساتھ پڑھتے تھے تو چار پڑھتے تھے اور جب منفرد ہو کر پڑھتے تھے تو دو پڑھتے تھے۔ یہ روایت ہے جس پر بخاری اور مسلم دونوں نے اتفاق کیا ہے۔

ابن مسعود نے تقیہ کیا

ازالۃ الخفا میں ہے صلی ابن مسعود بمنی مع عثمٰن	یعنی ابن مسعود نے منی میں عثمان کے ساتھ چار رکعتیں نماز کی پڑھی

اربعا فقیل له انک حدثتنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی رکعتین وابابکر وعمر فقال بلی ولکن عثمٰن کان اماما فما اخالفه والخلاف شر	لوگوں نے ان سے کہا کہ تم ہم سے بیان کرتے ہو کہ پیغمبر نے دو رکعتیں پڑھی ہیں اور ابوبکر و عمر نے دو رکعتیں پڑھی ہیں اور پھر تم نے عثمان کے ساتھ چار رکعتیں پڑھیں ابن مسعود نے کہا کہ ہاں ہے تو یہی کچھ مگر عثمان خلیفہ ہیں کیا میں ان کی مخالفت کروں حالانکہ مخالفت میں برائی ہے۔

اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ عثمٰن بجائے قصر اتمام کر رہے ہیں جو بالکل قول و فعل رسول کے خلاف ہے اور ابن مسعود مخالفت نہیں کر سکتے اسی کا نام تقیہ ہے جس طرح تقیہ ثابت ہے ویسی ہی جرأت خلفاء پر دشمنی پڑتی ہے

راوی حدیث رسول نے تقیہ کیا

حدیث ان آل ابی فلان لیسوا لی باولیاء کی شرح میں ہے والراوی کنی عنہ و ہو وہ الکن حر بقعه یعنی فلانا من بعض الرواۃ خشی علی نفسه ترتب علیه مفسدۃ او فتنۃ اما فی حق نفسه واما فی حق غیرہ فکنی عنه۔	یعنی ہاں فلاں حدیث پیغمبر میں تھا بلکہ اس کی تصریح تھی راوی نے صراحت سے خوف کیا کہ نام لینے میں کوئی فتنہ واقع ہو یا کوئی برائی ہو جائے وہ راوی کے حق میں ہو یا اس کے غیر کے حق میں ہو بہرحال اس ڈر سے نام فلاں کی شکل کا ذکر کیا

ابراہیم نخعی نے تقیہ کیا

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ ابراہیم النخعی کان یتکلم عند وقت الخطبة فقیل له فی ذلك فقال انی صلیت الظهر فی داری ثم رحت الی المسجد تقیة	یعنی ابراہیم نخعی خطبہ کے وقت باتیں کیا کرتے تھے لوگوں نے اس کا اعتراض کیا کہا کہ میں ظہر گھر پڑھ چکا ہوں تقیہ کی وجہ سے میں مسجد میں چلا آتا ہوں!

زرارہ ابن اوفی الحرشی نے تقیہ کیا

طبقات ابن سعد میں ہے قال اخبرنا عارم بن الفضل قال حدثنا حماد بن زید قال حدثنا هشام بن حسان عن عائشة بنت ضمرۃ ان زرارۃ بن اوفی کان یصلی فی منزله الظهر والعصر ثم یاتی الحجاج فیجمع معه۔ [illegible] کو روایت ہے کہ زرارہ بن اوفی اپنے گھر میں نماز ظہر و عصر پڑھ کر حجاج کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے آتے تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس کے متعلق طبقات میں ہے۔ اخبرنا اسحٰق بن ابی اسرائیل قال حدثنا عتاب الفتی القشیری عن بہز بن حکیم ان زرارۃ بن اوفی

اللهم الغوث في جعد بني قشير فقرأ حتى اذا بلغ فاذا نقر في الناقور فذلك يومئذ يوم عسير على الكافرين غير يسير خر ميتا قال بهز وكنت فيمن حمله۔ یعنی ایکدن صبح کی نماز مسجد بنی قشیر میں انہوں نے امامت کی قرائت کرتے کرتے اس آیۂ غضب پر جب پہونچے فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر علی الکافرین غیر یسیر تو مر کے گر پڑے بہز بیان کرتا ہے کہ انکو اٹھا کر لانیوالوں میں میں بھی تھا۔

عبداللہ بن عمر کا تقیہ

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

قال دخلت على حفصة ونسواتها تنطف قلت قد كان من امر الناس ما ترين فلم يجعل لي من الامر شيء فقالت الحق فانهم ينتظرونك واخشى ان يكون في احتباسك عنهم فرقة فلم تدعه حتى ذهب فلما تفرق الناس خطب معوية قال من كان يريد ان يتكلم في هذا الامر فليطلع لنا قرنه فلنحن احق به منه ومن ابيه قال حبيب بن مسلمة فهلا اجبته قال عبد الله فحللت حبوتي وهممت ان اقول احق بهذا الامر منك من قاتلك واباك على الاسلام فخشيت ان اقول كلمة تفرق بين الجمع وتسفك الدم ويحمل عني غير ذلك فذكرت ما اعد الله في الجنان قال حبيب

ابن عمر کہتے ہیں کہ میں حفصہ کے پاس گیا اور انکا یہ حال تھا کہ گیسوؤں سے پانی ٹپک رہا تھا میں نے کہا جو کچھ لوگوں کا حال ہے وہ تو تم نے دیکھ لیا خلافت میں سے کوئی حصہ میرا نہ قرار دیا گیا حفصہ نے جواب دیا کہ لوگوں کے پاس جاؤ وہ تمہارے انتظار میں ہیں اور مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں تمہارے بیٹھ رہنے سے کوئی افتراق اور پھوٹ نہ پیدا ہو حفصہ برابر جانے پر اصرار کرتی رہیں یہاں تک کہ عبداللہ بن عمر وہاں گئے جب لوگ متفرق ہوئے تو معویہ نے خطبہ پڑھا اور کہا کہ جس شخص کا ارادہ کچھ میرے معاملہ خلافت میں بولنے کا ہو تو وہ ہمارے سامنے اپنا سر بلند کرے کیونکہ ہم اس سے بھی زیادہ مستحق ہیں اور اسکے باپ سے بھی زیادہ مستحق ہیں (ابن عمر) اسکی مراد عبداللہ بن عمر اور خود عمر تھے حبیب بن مسلمہ نے کہا کہ پھر تم نے معویہ کو جواب کیوں نہ دیا عبداللہ نے کہا کہ میں نے تو اپنی جان سے ہاتھ دھو کر قصد کیا تھا کہ کہوں کہ تجھ سے زیادہ

مستحق خلافت وہ تھا جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے اسلام پر جنگ کی اس سے انکی مراد علی بن ابیطالب تھی عبداللہ کا بیان ہے کہ میں ڈر گیا کہ ایسا نہو اس کلمہ سے آپس میں پھوٹ پیدا ہو جائے اور خونریزی کا سبب ہو اور ایسا نہو کہ جو میری مراد ہے اسکے علاوہ لوگ مراد لیں تو میں نے ان چیزوں کا تذکرہ کیا جنکو خدا نے جنت میں مہیا کر رکھا ہے یعنی خیر اگر یہاں نہ سہی تو وہاں سہی حبیب نے کہا تم بچے اور محفوظ رہے۔

خلقت و عصمت

قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں بیان کیا ہے

لعل معوية كان رأيه تقديم الفاضل في القوة والمعرفة والرأي على الفاضل في السبق الى الاسلام والدين فلهذا اطلق انه احق ورأى ابن عمر خلاف ذلك وانه لا يبايع المفضول الا اذا خشي الفتنة

یعنی معویہ نے جو اپنی ذات کو خلافت کا مستحق بتایا تو غالبا اسکا خیال یہ تھا کہ وہ شخص مقدم ہونا چاہیے جو قوت اور معرفت اور رائے میں زیادہ ہو اسکو اس شخص پر جو اسلام و دین کے جانب سابق ہو فضیلت ہے جبھی تو اس نے اپنے کو احق بتایا اور ابن عمر کی رائے اسکے خلاف تھی اور وہ مفضول کی بیعت اسی وقت کر سکتے تھے جب فتنہ کا خوف ہو ورنہ نہیں۔ اسکا مطلب یہی ہوا کہ تقیہ کی وجہ سے وہ بیعت کر سکتے تھے۔

حسن بصری نے تقیہ کیا

طبقات ابن سعد میں ہے قيل لابن الاشعث ان سرك ان يقتلوا حولك كما قتلوا حول جمل عائشة فاخرج الحسن فارسل اليه فاكرهه۔

لوگوں نے ابن اشعث سے کہا کہ اگر تو اس بات پر خوش ہو کہ تیرے گرد بھی لوگ ویسا ہی قتل ہوں جیسا عائشہ کے اونٹ کے گرد قتل ہوئے تو حسن بصری کو نکالو ابن اشعث نے کسی کو ان کے پاس بھیجا اور مجبور کیا

احیاء العلوم غزالی میں ہے یروی عن ابن عائشة ان الحجاج دعا بفقهاء البصرة وفقهاء الكوفة قال فدخلنا عليه ودخل الحسن البصري آخر

یعنی ابن عائشہ سے روایت ہے کہ حجاج نے فقہائے بصرہ و کوفہ کو بلایا ہم سب اسکے پاس پہونچے اور آخر میں حسن بصری بھی پہنچے حجاج نے انکو دیکھ کر مرحبا کہا اور ایک کرسی منگوائی جو حجاج کے

من اخر من دخل فقال الحجاج مرحبا بابي سعيد الي الي ثم دعا بكرسي فوضع الي جنب سريره فقعد عليه فجعل الحجاج يذاكرنا ويسئلنا اذ ذكر علي بن ابي طالب فنال منه ونلنا منه مقاربة له وفرقا من شره۔

تخت کے پہلو میں بچھا دی گئی اس پر حسن بصری کو بٹھایا گیا پھر حجاج نے ہم سے باتیں کرنا شروع کیں اور ہم سے سوال کرنا شروع کیا کہ اتنے میں امیر المومنین علی بن ابی طالب کا کچھ ذکر آ گیا حجاج ملعون نے آپ کی مذمت کرنی شروع کی اور ہم نے بھی اس کی موافقت کی کیونکہ اس کے شر سے بچنے کے لیے ہاں میں ہاں ملائی۔

محمد بن سیرین و شعبی نے تقیہ کیا

وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے بیان کیا ہے۔ لما ولی عمر بن هبیرة الفزاري العراقین واضیفت الیه خراسان ایام یزید بن عبد الملک استدعی الحسن بن ابی الحسن البصري وعامر بن شرحبیل الشعبي ومحمد بن سیرین وذلک في سنة ثلث ومائة فقال لهم ان یزید بن عبد الملک خلیفة الله استخلفه علی عباده واخذ میثاقهم بطاعته واخذ عهدنا بالسمع والطاعة وقد ولاني ما ترون فیکتب الي بالامر من امره فاقلده ما تقلده من ذلک الامر فما تریان فقال ابن سیرین والشعبي قولا فیه تقیة

یعنی جب وقت عمر بن ہبیرہ والی عراقین ہوا اور خراسان بھی ساتھ ملحق ہوا اور یہ اس وقت جب یزید بن عبدالملک خلیفہ مقرر ہوا تھا تو اس نے حسن بصری اور عامر بن شرحبیل شعبی اور محمد بن سیرین کو بلایا اور یہ واقعہ سنہ ۱۰۳ھ کا ہے اور ان لوگوں سے کہا کہ یزید بن عبدالملک خلیفہ ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں پر خلیفہ بنایا ہے اور ان سے اس کی اطاعت کا عہد و پیمان لیا ہے اور ہم سے بھی عہد لیا ہے کہ ہم اس کا حکم سنیں اور اس کی اطاعت کریں اس نے مجھے اس ملک کا والی مقرر کیا ہے اور اب وہ مجھے کبھی کبھی بعض امور سے متعلق لکھتا ہے ... بیعت مطلع کیا ہے اگر تو ابن سیرین و شعبی نے ان باتوں کا جواب تقیہ میں دیا۔

ایک بڑے گروہ نے تقیہ کیا

فتح الباری میں ہے۔ اول من زخرف المساجد الولید بن عبد الملک بن مروان وذلک في اواخر عهد الصحابة وسکت کثیر من اهل العلم عن انکار ذلک

یعنی پہلا وہ شخص جس نے مسجدوں کو منقش کیا وہ ولید عبدالملک بن مروان تھا اور یہ واقعہ آخر عہد صحابہ میں ہوا اور بہت سے اہل علم نے اس کے انکار سے

خوفا من الفتنة۔

سکوت کیا کیونکہ ان کو فتنہ کا خوف تھا۔

ابوذر کو تقیہ کا حکم

مشکوٰۃ میں ہے عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انت اذا کانت علیک امراء یمیتون الصلوٰۃ او یؤخرونها عن وقتها قلت فما تامرنی قال صل الصلوٰۃ لوقتها فان ادرکتها معهم فصل فانها لک نافلة رواہ مسلم۔

ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیونکر ابوذر تمہارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے امیر ہوں گے جو نماز کو مار ڈالیں گے یا اس کو اس کے وقت سے موخر کر دیں گے ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ پھر آپ کیا حکم دیتے ہیں فرمایا کہ تم نماز اپنے وقت پر پڑھ لیا کرنا اور اگر تم ان کے ساتھ نماز پاؤ تو پھر ان کے ساتھ پڑھ لینا کیونکہ وہ تمہارے لیے نافلہ ہوگی اس کی روایت مسلم نے بھی کی ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی نے اس عبارت کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ گفت ابوذر گفت مرا پیغمبر خدا چگونہ خواهد بود حال تو و چہ خواہی کرد وقتیکہ مسلط خواهند گشت بر تو پادشاہان کہ در مخالفت ایشان اثارۂ فتنہ است می میرانند نماز را و رعایت نمیکنند شرائط و آداب آن را یا پس می اندازند نماز را از اول وقتش یعنی از اوقات مختارہ۔ ابوذر میگوید گفتم کہ چہ میفرمائی مرا و چہ کنم گفت آنحضرت بگزار نماز را در وقتش پس اگر دریابی نماز را با ایشان پس بگزار نیز ہمراہ ایشان بگزاری نفل خواہد بود برائے تو و ازینجا معلوم میشود کہ اگر امام تاخیر کند در وقت نماز خصوصا کہ بوقت مکروہ اندازد ماموم را باید کہ بگزارد نماز خود را در اول وقت پیشتر از ورود امام تا فضیلت وقت و جماعت ہر دو دریابد و این در غیر نماز فجر و عصر و مغرب خواہد بود از جہت کراہت تنفل در آن وقت و عدم مشروعیت تنفل سہ رکعت یا اینکہ ارتکاب این مکروہ اولیست از اثارۂ فتنہ و اختلاف کلمہ کہ لازم آید از مخالفت امراء و جبابرہ انتہی۔ میں شاہ عبدالحق صاحب کے عبارت کا بھی ترجمہ کرتا ہوں تاکہ ناظرین عام طور سے ان کی مراد کو بھی سمجھ لیں۔ ابوذر کہتے ہیں کہ مجھ سے پیغمبر نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا اور تم کس طرح کیا کرو گے جب تم پر ایسے بادشاہ مسلط ہوں گے جن کی مخالفت میں فتنہ و فساد کے برانگیختہ ہونے کا

خوف ہے وہ نماز کو مار ڈالیں گے اور اسکے شرائط اور آداب کی رعایت نہ کریں گے یا نماز کو انکی ہوناکی بعد میں ڈال دیں گے یعنی ان وقتوں کے بعد پڑھیں گے جو ان نمازوں کے لیے اختیار کئے گئے ہیں انکا اصل ابوذر نے عرض کی کہ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں ایسے وقت میں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ تم نماز کو اسکے وقت میں پڑھنا پس اگر نماز ان لوگوں کے ساتھ بھی مل جائے تو پڑھ لینا کیونکہ جو نماز تم ان لوگوں کے ساتھ پڑھو گے نافلہ ہو گی تمہارے لیے۔ اس جگہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر امام وقت نماز سے تاخیر کرے خصوصاً جبکہ اسے وہ وقت مکروہ میں ڈال دے ماموم کو چاہیئے کہ وہ نماز کو اول وقت ادا کرے پھر امام کے ساتھ پڑھے تاکہ وقت کی فضیلت اور جماعت کی فضیلت دونوں حاصل ہو جائیں اور یہ نافلہ ہو جانا غیر نماز فجر و عصر و مغرب میں ہوگا کیونکہ ان اوقات میں نفل مکروہ ہے اور اس لیے بھی کہ تین رکعت کا نافلہ مشروع نہیں ہے یا یوں کہ مغرب کا شمار نافلہ میں ہوگا یا یہ کہ ان مکروہات کا ارتکاب فتنہ کے برانگیختہ کرنے اور باہم پھوٹ واقع ہو جانے سے سہل ہے جو مخالفت امراء جابرہ سے لازم آئیگی۔

اگر مترجم نافلہ کے لغوی معنے لیتا اور اصطلاحی نہ لیتا یا نافلہ سے مراد ثواب نافلہ مراد لیتا تو یہ تکلفات جو اسے کرنے پڑے وہ نہ درپیش ہوتے۔ بہرحال تقیہ کی ہدایت تو ثابت ہوئی اب چند باتیں اور غور کرنا چاہیئے ایک تو یہ کہ خطاب رسول ابوذر سے ہے اور ابوذر رسالتمآب کے بعد تین ہی بزرگوار دل سے ماننے تھے اسلیے وہ حکومتیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تھیں اور تیسری حکومت میں انکے جور و ظلم سے ابوذر نے مقام ربذہ میں انتقال کیا ہے یہ بات نظر انداز کرنیکے قابل نہیں ہے کہ یہ دستور العمل جو پیغمبر نے جناب ابوذر کے لیے بتایا ہے اور ان کیلیے لازم العمل بھی تھا وہ کن امراء کے بابت تھا سوائے خلفائے ثلثہ اور کوئی ان پر مسلط نہیں ہوا تو اب متعین ہوا کہ وہ ہی خلفائے جابر ہوں اور وہی سلاطین جور ہوں اور انھیں کی یہ صفت ہو کہ نماز کو وہ مار ڈالیں گے یا اسکے وقت سے اسکو مؤخر کر دینگے اور بعد انکے تعیین کے اور دستور العمل کے متعین ہو جانیکے یہی حدیث اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ وہ لوگ جو

جو ابوذر پر مسلط تھی وہ کیسے تھے۔

دوسری بات یہ بھی قابل لحاظ اور نہایت ہی معنی خیز ہے کہ پیغمبر نے فرمایا کیف انت اذا کانت علیک امراء او تمہارا کیا حال ہو گا جب تمہارے اوپر ایسے امرا مسلط ہوں آخر لفظ امراء فرمایا جس کا ترجمہ عبدالحق صاحب نے بادشاہان فرمایا ہے لفظ خلفاء نہیں فرمایا اور مذاق قوم کے بنا پر پیغمبر کو خلفاء کہنا چاہیے تھا لیکن اگر خلفاء فرماتے تو یہ صفات جن کے مذموم ہونے میں کسی عاقل کے نزدیک شبہ نہیں انکے واسطے ثابت کیجاتیں۔ لہذا یہ بھی ثابت ہوا کہ ابوذر پر مسلط ہونے والے خلفاء تھے بلکہ امراء تھے اس سے زیادہ ہمارے اور اہلسنت کے نزاع میں فیصلہ کرنیوالی کون چیز ہو سکتی ہے مجھے ان لوگوں سے سخت تعجب ہوتا ہے جو احادیث کے ترجمے کرتے ہیں اور ان سے احکام کو مستنبط کرتے ہیں اور مفاد حدیث پر ذرہ برابر غور نہیں کرتے اسی کا نام ہے طبع اسی کا نام ہے ختم یعنی ختم اللہ علی قلوبہم الخ۔

پھر ابوذر کیلیے تقیہ کی ہدایت

عن ابی ذر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لی کیف تصنع اذا اخرجت منہا یعنی من المسجد النبوی قال آتی الشام قال کیف تصنع اذا اخرجت منہا قال اعود الیہ ای الی المسجد قال کیف تصنع اذا اخرجت منہ قال اضرب بسیفی قال صلی اللہ علیہ وسلم الا ادلک علی ما ہو خیر لک من ذلک واقرب رشدا تسمع وتطیع وتنساق لہم حیث ساقوک۔

حضرت ابوذر سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے ان سے فرمایا کہ ابوذر کیا کرو گے جب تم مسجد نبوی سے نکالے جاؤ گے ابوذر نے کہا کہ میں شام چلا جاؤنگا فرمایا کیا کرو گے جب شام سے بھی نکالے جاؤ گے کہا میں پھر مسجد ہی میں چلا آؤنگا فرمایا کیا کرو گے جب پھر مسجد سے نکالے جاؤ گے کہا میں اپنی تلوار سے اسوقت حملہ کرونگا جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ میں تمھیں اس سے بہتر بات بتاؤں جو تمہارے لیے بہتر ہو اور وہ یہ ہے کہ ہر حکم کو سنو اور اسکی اطاعت کرو اور جدھر تمکو وہ لوگ کھینچیں ادھر ہی جانب کو کھنچے جاؤ۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

صاف ظاہر ہے کہ مفسدہ کے خوف سے تقیہ کا حکم دے رہے ہیں اور الفاظ رسول ابوذر کی

مظلومیت کا پتا دے رہے ہیں۔

انبیاء نے تقیہ کیا

صحیح مسلم میں ہے ابوہریرہ سے روایت ہے اس نے کہا کہ پیغمبر نے فرمایا کہ

لم یکذب ابراہیم النبی الا ثلث کذبات ثنتین فی ذات اللہ قولہ انی سقیم وقولہ بل فعلہ کبیرہم ہذا وواحدۃ فی شان سارۃ فانہ قدم ارض جبار ومعہ سارۃ وکانت احسن الناس فقال لہا ان ہذا الجبار ان یعلم انک امرأتی یغلبنی علیک فان سألک فاخبریہ انک اختی فی الاسلام فانی لا اعلم فی الارض مسلما غیری وغیرک انتہی۔

یعنی معاذ اللہ ابراہیم پیغمبر نے کبھی جھوٹ نہیں کہا مگر صرف تین بار جن میں دو جھوٹ خدا کی ذات کیلیے بولے اور وہ ایک تو انی سقیم تھا اور دوسرا یہ فرمایا کہ بل فعلہ کبیرہم اور تیسرا سارہ کے باب میں کیونکہ جناب ابراہیم ایک بادشاہ و جبار کے ملک میں تشریف لے گئے تھے اور انکے ساتھ جناب سارہ بھی تھیں اور حضرت سارہ جمیل ترین تھیں تو آپ نے سارہ سے فرمایا کہ یہ ظالم بادشاہ اگر یہ جانیگا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ مجھ پر قبضہ کریگا اور تمہے طلب کریگا تو اگر وہ تم سے پوچھے کہ تم کون ہو تو کہدینا کہ میں انکی اسلامی بہن ہوں کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ تمام روئے زمین عالم میں میرے اور تمہارے سوا کوئی اور مسلم ہے۔

اور شارح شفا نے (جیسا کہ سلطان المتکلمین جناب مفتی محمد قلی علیہ الرحمۃ والرضوان نے تحریر فرمایا ہے) جناب سارہ کو بہن کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ قال تقیۃ خشیۃ ان یقتلہ یعنی جناب ابراہیم نے یہ قول تقیہ کی سبب سے کہا اس بات کو ڈر کے کہ کہیں وہ جبار حضرت کو قتل نہ کر ڈالے۔

اور نووی شارح مسلم نے وجہ دوم تاویل خبر میں یہ عبارت لکھی ہے۔

الوجہ الثانی ولو کان کذبا لا توریۃ فیہا لکان جائزا فی دفع الظالمین وقد اتفق الفقہاء علی انہ لو جاء ظالم یطلب انسانا مختفیا لیقتلہ او یطلب ودیعۃ

یعنی وجہ دوم یہ ہے کہ اگر توریہ نہ بھی ہو اور کذب محض ہی ہو تو ظالموں کے دفع کرنے کیلیے جائز ہوگا اور تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی ظالم کسی آدمی کے قتل کرنے کیلیے جو چھپا ہوا ہو یا کسی انسان کی امانت غصب کرنے کیلیے

لانسان لیاخذہا غصبا وسأل عن ذلک وجب علی من علم ذلک اخفاؤہ وانکار العلم بہ وہذا الکذب جائز بل واجب لکونہ فی دفع الظلم عنہ فنبہ النبی علی ان ہذہ الکذبات لیست داخلۃ فی مطلق الکذب المذموم۔

آئے اور اسکا پتا لگائے اور لوگوں سے پوچھے تو اس شخص پر جس کو ایسے آدمی یا ایسی امانت کا علم ہو واجب ہے کہ اسے چھپائے ہو رہے کہ مجھے معلوم نہیں اور ایسا جھوٹ جائز ہے بلکہ واجب ہے کیونکہ ظلم کے دفع کرنے کیلیے ہے تو پیغمبر نے بیان کر کے آگاہ کر دیا کہ ایسے جھوٹ جنکا سبب دفع ظلم ہو وہ اس جھوٹ میں داخل نہیں جو مذموم ہے۔

جناب خلیل اللہ کا دوسرا تقیہ

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت مبارکہ "فلما جن علیہ اللیل رأی کوکبا قال ہذا ربی" (جب ابراہیم پر شب تاریک ہوئی اور انہوں نے ستارہ کو دیکھا تو کہا کہ میرا رب ہے) کی تفسیر میں لکھا ہے۔

الوجہ السادس انہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یبطل قولہم بربوبیۃ الکواکب الا انہ علیہ السلام کان قد عرف من تقلیدہم لاسلافہم وبعد طباعہم عن قبول الدلائل انہ لو صرح بالدعوۃ الی اللہ لم یقبلوہ ولم یلتفتوا الیہ فمال الی طریق بہ یستدرجہم الی استماع الحجۃ وذلک بان ذکر کلاما یوہم کونہ مساعدا لہم علی مذہبہم بربوبیۃ الکواکب مع ان قلبہ کان مطمئنا بالایمان ومقصودہ من ذلک ان یتمکن من ذکر الدلیل علی ابطالہ وفسادہ وان قبلوا قولہ وتمام التقریر انہ لما لم

حاصل یہ ہے کہ جناب ابراہیم صلوات اللہ علیہ نے ارادہ کیا کہ انکے کواکب کے ربوبیت کو باطل فرمائیں اور یہی انکی اصل کے اعتقاد میں تھا مگر چونکہ آنحضرت نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے تقلید میں ہیں اور انکی طبیعتیں دلائل دینے کے قبول کرنے سے بعید ہیں تو آپ نے یہ خیال فرمایا کہ اگر میں انکو خدا کی طرف دعوت دونگا اور اسکو بالتصریح بیان کر دونگا تو ہرگز اسکو قبول نہ کریں گے اور کسی قسم کا التفات نہ کریں گے اس لیے آپ نے ایسی کلام کے ذکر کی طرف میل فرمایا جو انکو دلیل کے سننے کی طرف متوجہ کرے اور یہ اس طریقہ سے کہ آپ نے ایک ایسا کلام ذکر فرمایا جو اس بات کا خیال دلاتا تھا کہ آپ قوم کے خیالات کی تائید فرماتے ہیں اور معاذ اللہ ربوبیت کواکب کے معتقد ہیں حالانکہ

يجد الى الدعوة طريقا سوى هذا
الطريق وكان عليه السلام مأمورا
بالدعوة الى الله تعالى كان يجوز له التكلم
عليه بكلمة الكفر ومعلوم ان مثل الاكراه
يجوز اجراء كلمة الكفر على اللسان
قال الله تعالى الا من اكره وقلبه
مطمئن بالايمان واذا جاز ذكر كلمة
الكفر لمصلحة بقاء شخص واحد فان
يجوز اظهار كلمة الكفر لتخليص عالم
من العقلاء من الكفر والعقاب
المؤبد كان اولى وايضا المكره على
ترك الصلوة لو صلى حتى قتل يستحق
الاجر العظيم ثم اذا جاء وقت القتال
مع الكفار وعلم انه لو اشتغل بالصلوة انهزم
عسكر الاسلام فههنا يجب عليه ترك
الصلوة والاشتغال بالقتال حتى
لو صلى وترك القتال اثم ولو ترك
الصلوة وقاتل استحق الثواب بل
نقول من كان في الصلوة فرأى
طفلا او اعمى اشرف على غرق او حرق
وجب عليه قطع الصلوة لانقاذ ذلك

آپ کا قلب ایمان کے ساتھ مطمئن تھا اور آپ کا مقصود دینے کا یہ
صرف یہ بات تھی کہ آپ دلیل ابطال ربوبیت کواکب کو ذکر فرما سکیں
اور وہ اسکو قبول کر سکیں۔ اور تقریر تام یہ ہے کہ چونکہ جناب خلیل الرحمن
کے لیے کوئی اور راستہ دعوت حق کا سوائے اس راستے کے نہ تھا اور آپ
خدا کی طرف سے دعوت حق پر مامور تھے تو چونکہ اسی طریقہ پر تبلیغ
تو گویا آپ کلمہ کفر کے کہنے پر مجبور تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ مجبوری کے
وقت کلمہ کفر کا زبان پر جاری کرنا جائز ہے خداوند عالم نے خود
استثناء فرما دیا ہے الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان یعنی صرف
اس شخص کے لیے اجازت ہے جو مجبور کر دیا گیا ہو اور اسکا دل
ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اور جب ایک شخص کے باقی رہنے کیلیے
کلمہ کفر کا جاری ہونا جائز ہو تو اگر عاقلوں کے ایک عالم کی نجات
کیلیے کفر و عذاب سے ایسا کلمہ کہا جائے تو یہ بدرجہ اولی جائز
ہوگا اور بھی وہ شخص جو ترک صلوۃ پر مجبور کیا جائے اگر نماز پڑھے
اور اس میں قتل ہو جائے تو اسکے لیے اجر عظیم حاصل ہوگا اور
جب کفار سے جنگ کرنے کا وقت آ جائے اور اسکو یہ معلوم ہو کہ
اگر میں نماز میں مشغول رہونگا تو اسلام کا لشکر شکست کھا جائیگا
تو اس جگہ اس پر ترک نماز واجب ہوگی اور جہاد دشمن میں ہی
مشغولیت واجب ہوگی اور یہ وجوب اس حد پر ہے کہ اگر
نماز میں مشغول ہو جائے اور ترک قتال کرے تو گنہگار ہوگا
اور ترک نماز کرے اور جہاد دشمن میں مشغول ہو جائے تو مستحق
اجر ہوگا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاد اور احترام لشکر اسلام کا خوف

الطفل وذلك الاعمى من ذلك
فكذا ههنا ان ابراهيم عليه السلام
تكلم بهذه الكلمة ليظهر من نفسه انه
القوم حتى اذا اورد عليهم الدليل
المبطل لقولهم كان قبولهم
لذلك الدليل اتم وانتفاعهم به
اكمل ومما يقوي هذا الوجه انه
تعالى حكى عنه مثل هذا الطريق في
موضع آخر فقال فنظر نظرة
في النجوم فقال اني سقيم فتولوا
عنه مدبرين وذلك لانهم كانوا
يستدلون بعلم النجوم على حصول
الحوادث المستقبلة فوافقهم على
هذا الطريق في الظاهر مع انه
كان بريئا في الباطن ومقصوده
ان يتوسل بهذا الطريق الى
كسر الاصنام فاذا جازت الموافقة
في الظاهر ههنا مع انه كان بريئا
في الباطن فلم لا يجوز ان
يكون في مسئلتنا كذلك۔

تو ایک چیز ہے اگر نماز میں ہو اور کسی لڑکے یا اندھے کو دیکھے کہ وہ
پانی میں غرق ہوا جاتا ہے یا آگ میں جلا چاہتا ہے تو ایسے وقت
پڑھنی پر اس بچہ اور اندھے کی نجات کے لیے نماز کا قطع کر دینا
واجب ہو جائیگا یوہیں مقام بحث میں خیال کرو کہ جناب ابراہیم
نے اس کلمہ کے ساتھ تکلم فرمایا کہ قوم پر یہ ظاہر ہو کہ آپ قوم کی موافقت
کرتے ہیں (ایسی صورت میں قوم کے دل میں کینہ اور غضب ہوا نہ
استماع قول چرتا ہی ہوگا) تو ایسے وقت میں جب دلیل ابطال
قول قوم پر وارد کی جائیگی تو دلیل زیادہ کارگر ہوگی اور نافع تر
دلیل کامل تر ہوگا۔ اور ان چیزوں میں سے جو اس وجہ مذکورہ کو
قوی کرتے ہیں یہ ہے کہ خداوند عالم نے دوسرے مقام پر بھی اسی طریقہ کا
استدلال جناب ابراہیم علیہ السلام کی زبانی نقل فرمایا ہے اور
وہاں جہاں ارشاد ہوا ہے کہ فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم
یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر کہا کہ میں بیمار ہوں
فتولوا عنہ مدبرین جب انہوں نے یہ کہا تو قوم والوں نے انکی طرف سے
پیٹھ پھیر لیا اور پیچھے ہٹ گئے اور یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ حوادث
کے وقوع پر علم نجوم سے استدلال کیا کرتے تھے جب جناب ابراہیم
نے انہیں کے مذاق پر تکلم فرمایا کہ انکو انکے قول کا یقین آ گیا اور حقیقت
یہ موافقت جناب ابراہیم ظاہری تھی باطن میں وہ ہرگز نجوم کو
موثر نہیں سمجھتے تھے انکا مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ انکو تنہا چھوڑ کر
چلے جائیں تو بتوں کے توڑنے کا راستہ نکلے تو جب اس مقام پر
قوم کی موافقت جائز ہوئی تو ہمارے مسئلہ مبحوث عنہا میں قوم کی

موافقت کیوں نہ جائز ہوگی۔

یہ تمام تقریر فخرالدین رازی کی تقیہ کی تجویز بلکہ وجوب پر دال ہے اور انبیاء کے لیے وجوب تقیہ ثابت کرتی ہے وہ بھی کلمہ کفر کے استعمال کے ساتھ۔ تو ہم گروہ شیعہ نہ مرتبہ میں ان سے زائد ہیں نہ کمال نفسانی میں نہ مراتب تقرب الٰہی میں بلکہ لاکھوں درجہ ان سے کم ہیں جب ان کیلئے یہ واجب ہوا حالانکہ انکا دامن عصمت بے داغ تھا تو ہم ایسے امتی لوگوں کیلئے کیا عجب ہوگا بلکہ اس تقیہ کی وجہ سے ہم تابع سنن مرسلین ہوں گے۔ اب جہاں قرآن ہو انبیاء کی تعریف ہو وہاں سعدی کا شعر جو مدح اسے بیاد مگر زیبا دکھایا کر سکتا ہے حالانکہ میں سعدی کی طرف سے قسم کھانے کو تیار ہوں کہ اس نے یہ مقام تقیہ میں ہرگز نہیں کہا ہے

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

یا صاحب الزمانؑ ادرکنی

خدمتگارانِ مکتبِ اھلبیت (ع)

سید حسن علی نقوی

حسّان ضیاء خان

سعد شمیم

حافظ محمد علی جعفری

﴿التماس سورۃ الفاتحہ﴾

سیدہ فاطمہ رضوی بنت سید حسن رضوی

سید ابوزر شہرت بلگرامی ابن سید رضوی

سید مظاہر حسین نقوی ابن سید محمد نقوی

سید محمد نقوی ابن سید ظہیر الحسن نقوی

سید الطاف حسین ابن سید محمد علی نقوی

سیدہ امّ حبیبہ بیگم

حاجی شیخ علیم الدین

شمشاد علی شیخ

مسیح الدین خان

فاطمہ خاتون

شمس الدین خان

Hassan
naqviz@live.com